ماہنامہ
ملیہ
فیصل آباد پاکستان
ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
بمطابق مارچ 2013ء
www.milliafsd.com

مدیر اعلیٰ و سرپرست
ابن نفیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

بسم الله الرحمن الرحیم
نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

محرم الحرام ۱۳۹۳ھ

سیّد هجویر مخدومِ امم
مرقدِ او پیرِ سنجر را حرم

خاکِ پنجاب از دمِ او زنده گشت
صبحِ ما از مهرِ او تابنده گشت

دکتر علامه محمد اقبال مرحوم

نفیس الحسینی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ
مِلّیہ
فیصل آباد پاکستان

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ جلد نمبر 9
بمطابق
مارچ 2013ء شمارہ نمبر 4

فہرست مضامین

بیاد
حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ
خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

بفیض
حضرت سیّد نفیس الحسینی
رحمة اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست
ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مدیر
حماد الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر
جواد الرحمٰن لدھیانوی

فی شمارہ 25 روپے پاکستان میں سالانہ 300 روپے
سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 45 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے
ماہنامہ ملّیہ جامعہ ملّیہ اسلامیہ
محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد
041-8711569
0321-6611910

ناشر......حبیب الرحمٰن لدھیانوی مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد Decl No. 3483-85

كلمة الحبيب

کسی مسیح الملک کی ضرورت

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

وائسرائے ہند کے ہاں بچے کی ولادت کا وقت قریب تھا، اس کی بیوی دردِ زِہ کی وجہ سے کراہ رہی تھی، مگر بچے کی پیدائش میں کوئی پیچیدگی پیدا ہوگئی تھی، اس لئے ولادت نہیں ہورہی تھی، سب پریشان تھے، کیونکہ لیڈی ڈاکٹر بھی موقع سے دور تھی، اس کا پہنچنا ناممکن تھا، ایسے حالات میں وائسرائے کو مشورہ دیا گیا کہ دہلی میں ایک حکیم صاحب ہیں، ان سے اس سلسلہ میں رائے لی جائے۔ حکیم صاحب کو بلایا گیا، ان کے سامنے صورت حال رکھی گئی۔ حکیم صاحب نے پوچھا کہ زچہ (بچہ جننے والی) میم صاحبہ کس کمرے میں ہیں، حکیم صاحب کو میم صاحبہ کے کمرے کی طرف لیجایا گیا، حکیم صاحب نے کمرے کے باہر رُک کر کہا کہ بندوق لاؤ، اس پر سناٹا سا چھا گیا، حکیم صاحب نے پھر گرج دار آواز سے کہا کہ بندوق لاؤ، ناچار اُن کے کہنے پر بندوق لائی گئی، حکیم صاحب نے میم صاحبہ کے کمرے کے باہر ہی کھڑے ہو کر بندوق سے ہوائی فائر کیا، جونہی بندوق کے چلنے سے دھماکہ ہوا تو اس دھمک سے اندر میم صاحبہ نے بچے کو جنم دیدیا، وائسرائے کو خبر دی گئی، وائسرائے بہت خوش ہوا اور حیران بھی۔

وائسرائے نے حکیم صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا حکمت ہے، تو حکیم صاحب نے کہا کہ ہماری آسمانی کتاب قرآن مجید میں ہے کہ جب قیامت آئے گی وَاَلْقَتْ مَافِیْھَا وَتَخَلَّتْ اس کی گھن گرج کے خوف سے زمین اپنا سب کچھ اُگل دے گی۔ یہ اس کی ایک ہلکی سی مثال ہے۔ اسی لئے ہمارے ہاں مسلمانوں میں جب بچہ کی پیدائش کا وقت قریب ہوتا ہے تو زچہ کی بائیں ران پر یہ آیت کاغذ پر لکھ کر باندھ دی جاتی ہے، اس سے بچے کی پیدائش میں آسانی ہوتی ہے۔

یہ کہتے ہوئے حکیم صاحب تیزی سے واپس اپنے مطب پہنچ گئے۔ وائسرائے نے دوسرے دن پھر حکیم صاحب کو بلا بھیجا، جب حکیم صاحب وائسرائے کے دربار ہال میں تشریف لائے تو دیکھا کہ وائسرائے نے باقاعدہ ایک تقریب کا اہتمام کیا ہوا ہے، جس میں معززین شہر اور حکومت کے بڑے بڑے اہم نمائندے موجود تھے۔ وائسرائے نے آگے بڑھ کر حکیم صاحب کا استقبال کیا، اور کہا کہ ہم آپ کے کل والے واقعے سے بہت خوش ہیں اور آپ کو خطاب دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حکیم صاحب کو ”حاذق الملک“ کے خطاب سے نوزا گیا۔ وائسرائے نے اپنے ہاتھوں سے حکیم صاحب کو ”حاذق الملک“ کے خطاب کی سند عطاء کی۔ حکیم صاحب نے اس سند کو پاؤں پر رکھ کر وائسرائے کی طرف اُچھال دیا اور یہ کہتے ہوئے دربار سے واپس آ گئے کہ میں اپنے ملک پر غاصب حکمرانوں سے کوئی خطاب نہیں لینا چاہتا۔

یہ بات ہندوستان کے حریت پسند زعماء تک پہنچی، اس وقت ہندوستان میں تحریک خلافت چل رہی تھی، تحریک خلافت پنجاب کے صدر اس وقت بانیٔ احرار، رئیس الاحرا حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ تھے، انہوں نے اس سلسلہ میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو ساتھ لیا، اور ہندوستان کے مختلف لیڈروں سے ملاقات کی اور انہیں اس بات کی اہمیت کا احساس دلایا کہ حکیم صاحب نے خطاب واپس کر کے ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ جو بے مثال ہے، لہٰذا حکیم صاحب کو قوم کی طرف سے کوئی خطاب دیا جانا چاہیے۔

رئیس الاحرارؒ کی کوششیں رنگ لائیں۔ چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ فلاں دن جامع مسجد دہلی میں ایک عظیم الشان اجتماع منعقد ہو رہا ہے، جس میں ملک کی ایک مایہ ناز شخصیت کو قوم کی طرف سے خطاب دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ دن بھی آ گیا، جامع مسجد لبالب بھری ہوئی تھی، سٹیج پر اس وقت کے بڑے بڑے لیڈر جن میں مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ، ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور جمعیۃ علماء ہند کے صدر مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ اور اس اجلاس کے محرک رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ موجود تھے۔ پھر بھرے مجمع میں اعلان کیا گیا کہ مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اپنے دست مبارک سے حکیم صاحب کو خطاب کی سند عنایت

فرمائیں گے۔ حضرت مفتی صاحب اسٹیج پر نمودار ہوئے اور ساتھ ہی حکیم صاحب کھڑے ہو گئے، حضرت مفتی صاحبؒ نے مجمع عام میں کاغذ پر لکھی ہوئی ایک تحریر پڑھ کر سنائی، جس میں لکھا گیا تھا کہ حکیم صاحب کی طرف سے غیر ملکی قابض حکمرانوں کی طرف سے دیئے گئے ''حاذق الملک'' کے خطاب کو ٹھکرانے کے عمل کو ہندوستانی قوم احترام کی نظر سے دیکھتی ہے، حکیم صاحب نے وہ کام کیا ہے جس سے ہندوستانی قوم کا سر فخر سے بلند ہو گیا ہے۔

حکیم صاحب کو اب قوم اپنی طرف سے خطاب دے رہی ہے۔ پھر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ آج سے ہندوستانی قوم حکیم صاحب کو''مسیح الملک'' کا خطاب دیتی ہے۔ حکیم صاحب نے مفتی صاحب کے ہاتھ سے کاغذ کا وہ ٹکڑا لے کر چوما، آنکھوں سے لگایا اور پھر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اور فرمایا کہ یہ خطاب میری قوم کی طرف سے مجھے دیا گیا ہے۔ اس سے بڑا اعزاز میرے لئے کوئی نہیں ہے، اس کو میں اپنے سر آنکھوں پر رکھتا ہوں۔

یہ حکیم صاحب کون تھے؟ ان کا نام تاریخ میں مسیح املک حکیم محمد اجمل خان کے عنوان سے پہچانا جاتا ہے، جو کہ اس وقت آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر تھے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس عظیم الشان اجتماع میں کوئی بڑا مسلم لیگی لیڈر موجود نہیں تھا۔ وہ اس لئے کہ اس وقت کے تمام مسلم لیگی لیڈر انگریز سے خطاب یافتہ تھے۔ کوئی خان بہادر تھا، کوئی سر کے خطاب سے سرفراز تھا، کوئی نواب تو کوئی شمس العلماء کے خطاب سے مشہور ہو گئے تھے، کسی نے شیخ الاسلام کے خطاب کو اپنا لیا تھا۔

اس واقعہ سے دو باتیں سامنے آئیں، ایک حکمت عملی دوسری غیرت کا تقاضا۔ جہاں تک حکمت کا تعلق ہے یہ ایک ایسا لامحدود سلسلہ ہے جو کہ کسی بھی جگہ پر اپنایا جا سکتا ہے۔ اس کا تعلق چاہے صحت سے ہو یا سیاست سے، یہ ہر جگہ اپنا رنگ دکھاتی نظر آتی ہے۔

طب! جس کو آجکل کے دور میں میڈیکل سائنس کہا جاتا ہے کے معاملہ میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مریض کو گولی، انجیکشن، یا آپریشن کے ساتھ ٹھیک کیا جائے، جبکہ حکمت میں زیادہ تر دوا کے بغیر ہی علاج کیا جاتا ہے، جس میں پرہیز یا چند ورزشوں کی مشقیں کرائی جاتی ہیں۔ ان کے ہاں گولی، انجکشن، یا آپریشن کا کام بہت حد تک کم ہوتا ہے۔ مریض کا مرض بھی ختم ہو جاتا تھا اور اخراجات بھی بچ جاتے ہیں۔ مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان صرف فن طب کے ہی حکیم نہیں تھے بلکہ

سیاست کی خاردار وادیوں میں بھی انہوں نے حکمت کے جوہر دکھائے۔ مسلم لیگ میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے انگریز سے خطابات حاصل کئے ہوئے تھے، مگر مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب اپنی حکمت عملی سے انگریز سے خطاب نہ لینے کے باوجود آل انڈیا مسلم کے صدر بھی بن گئے تھے۔

سیاست میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہوتی، برصغیر جیسی دھرتی کے بطن میں کئی بار انقلاب پرورش پاتے ہوئے نمود کی حد تک پہنچے مگر نمود کے وقت انقلاب کو موت کی نیند سُلا دیا گیا یہاں تک کہ پھر اُسے دوبارہ پنپنے کے لئے کئی برس لگے۔ انقلاب کی مثال بھی ایک بچہ کی طرح ہوتی ہے جو کہ قوم یا کسی دھرتی کے بطن میں پرورش پاتا ہے، اور جب اس انقلاب کی نمود کا وقت آتا ہے تو قوموں کے مخلص لیڈر حکمت سے اس کو برپا کرنے میں دن رات ایک کردیتے ہیں۔ بچہ جب بطن مادر میں پرورش پاکر نمود کے دہانے پہنچتا ہے تو تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر یا دائی اس کی نمود میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ بعض اوقات کوئی پیچیدگی پیدا ہوجائے تو اسے انتہائی احتیاط کے ساتھ اس عمل سے گزارنا پڑتا ہے۔ اگر ذراسی بے احتیاطی ہوجائے تو اس میں یا تو بچہ کی جان چلی جاتی ہے یا ماں کی جان کو خطرہ ہوتا ہے، یا ماں اور بچہ دونوں کی جان چلی جاتی ہے۔

ہمارے برصغیر میں اس کا کئی دفعہ تجربہ ہوچکا ہی۔ برصغیر کی دھرتی کے بطن میں کئی انقلابوں نے پرورش پائی مگر جب ان انقلابات کی نمود کا وقت آیا تو کوئی ایسا حادثہ کردیا گیا کہ وہ انقلاب بطن میں ہی دم توڑ گیا۔ بعض انقلاب تو ایسے تھے جو خود ہی جان ہار گئے اور بعض دھرتی کو بھی لے ڈوبے۔

ان سب کے پیچھے منافقت کارفرما تھی۔ ۱۷۵۷ء میں انگریز نے پلاسی کی جنگ میں نواب سراج الدولہ کو شکست دی اور انہی دنوں ٹیپو سلطان کو بھی شکست دی تو ان کے پیچھے میر جعفر اور میر صادق منافقت کا خنجر لیے بیٹھے تھے۔ ہندوستان کے ستائے ہوئے عوام نے اکٹھے ہو کے ۱۸۵۷ء میں اعلان جنگ کیا اور انقلاب برپا ہوچکا تھا تو اس وقت بھی ہمارے ہی کچھ مہربانوں نے اس کو ناکام بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ ان ناکام انقلابوں میں انقلاب تو بطن میں ہی دم توڑ گئے۔ مگر دھرتی قائم رہی۔ پھر اس کے بعد مسلمانوں اور دوسری قوموں نے عدم تشدد کی بنا پر انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی، اگرچہ ہندوستانی قوم کا رویہ عدم تشدد ہی تھا پھر بھی ان آزادی پسند لوگوں پر بھرپور تشدد کیا گیا۔ مگر

اس کے باوجود حریت پسند اپنے کام میں مگن رہے، اور انقلاب پلتا رہا۔ یہاں تک کہ انقلاب کی نمود کا وقت آ گیا تو ایسے لوگ کھڑے کر دیئے گئے جنہوں نے حریت پسندوں کی ہمیشہ سے مخبریاں کی تھیں، ان پر ظلم ڈھائے تھے۔ ان لوگوں نے انگریز سے اپنی خدمت کا صلہ مانگ لیا۔ اس لئے کہ اگر انقلاب اسی صورت میں برپا ہو جاتا ہے تو ان خوشامدیوں کے لئے اس میں کوئی جگہ نہیں تھی۔

منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

چنانچہ انقلاب کے نمودار ہونے کی وہ شکل سامنے نہیں آئی جس کی حریت پسند لوگ امید رکھتے تھے۔ چنانچہ خوشامدیوں نے دھرتی ماں کے ہی ٹکڑے کر دیئے۔ اس وجہ سے انقلاب بھی دم توڑ گیا اور مادر وطن کے بھی ٹکڑے ہو گئے۔

پاکستان کے نام سے ایک مملکت وجود میں آئی، اس میں لٹے پٹے لوگ آ کر رہنے لگے مگر دیکھا یہ گیا کہ جو کچھ انہیں بتایا گیا تھا وہ کچھ بھی یہاں نہیں، پھر یہاں پر ایک نئے انقلاب کی داغ بیل ڈالی گئی، ماریں کھائیں جیلوں میں گئے، یہاں تک کہ ۱۹۷۰ء میں ملک پھر ایک نئے انقلاب کے دھانے پر پہنچ گیا۔ یہاں بھی یہی ہوا جو ۱۹۴۷ء میں ہوا تھا، انقلاب بھی دم توڑ گیا اور دھرتی ماں پھر دو ٹکڑے کر دی گئی۔ اب پھر ہمارے ملک میں انقلاب آنے کو ہے، دھرتی ماں کے بطن میں انقلاب کی تکمیل ہوئی چاہتی ہے، اب پھر پرانے جواری، مداری میدان میں نعرے لگاتے ہوئے نظر آ رہے ہیں، آج پھر ۱۹۷۰ء والا نقشہ نظر آ رہا ہے۔ مجھے خان عبدالولی خان مرحوم کی کہی ہوئی ایک کہاوت یاد آ رہی ہے۔ وہ ہمارے والد حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ کے انتقال پر افسوس کے لئے تشریف لائے تو ایک صاحب نے ان سے پوچھا کہ ہمارا ملک کدھر جا رہا ہے۔ انہوں نے ہنستے ہوئے ایک مثال دی کہ ہمارے پٹھانوں میں ایک کہانی مشہور ہے کہ ایک شخص بوری میں چوڑیاں باندھے ہوئے اپنے گدھے پر رکھے لے جا رہا تھا، تو راستے میں ایک بڑا خان ملا، اس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا، بڑے خان نے چوڑیوں کی بوری پر زور سے ڈنڈا مارتے ہوتے پوچھا کہ اس میں کیا ہے، تو چوڑیوں والے نے جواب دیا کہ خان صاحب ایک اور ڈنڈا مارو تو سمجھو کہ اس بوری میں کچھ بھی نہیں۔ یہ کہتے ہوئے ولی خان نے کہا کہ اگر ۱۹۷۰ء والے الیکشن ہو گئے تو یہ ملک بھی نہیں رہے گا۔ آج ہمارا ملک ۱۹۷۰ء کی دہائی کے مقام پر کھڑا ہے، اس وقت مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن اپنے چھ نکات کے مطالبے

کر رہا تھا، اور بھٹو صاحب مغربی پاکستان میں سوشل ازم کے نام پر مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کے نغمے الاپ رہے تھے۔ مذہبی جماعتیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھیں۔ فوج اپنے اقتدار کے لئے قانونی موشگافیاں تلاش کر رہی تھی، عدلیہ بے بس تھی۔ ایسے حالات میں جب الیکشن ہوئے تو اس کا نتیجہ ملک کو انتشار میں مبتلا کرنے کے سوا کچھ نہ نکلا۔ یہاں تک کہ ملک دو ٹکڑے ہو گیا۔ آج ہمارے ملک میں کراچی سے لے کر خیبر تک انتشار کے علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا، نسلی، لسانی، علاقائی اور صوبائی عصبیت اس وقت عروج پر ہے۔ مذہبی فرقہ واریت کی کوئی انتہا نہیں۔ کرپشن اقربا پروری، عروج پر ہے۔ جھوٹ کے عالمی سطح پر نئے نئے ریکارڈ بن رہے ہیں۔ الیکشن کے شفاف ہونے کے لئے بیرون ملک سے ڈبل شہریت کے لوگ عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں۔ غیروں کی غلامی کا حلف دینے والے قوم کے محسن بننے کی دھائی دے رہے ہیں۔

ہمارا ملک آج جس مقام پر کھڑا ہے اس سے پہلے ایسا نہیں تھا۔ ۱۹۸۹ء میں افغانستان میں ایک سپر پاور (سوویت یونین) کو مجاہدین کی تمام جماعتوں نے اکٹھے مل کر شکست دی تھی، اور ان کے پیچھے دنیا کے تمام سوویت مخالف ملکوں کی مدد شامل تھی۔ مگر آج امریکہ اور اس کے پچاس سے زائد ممالک کی افواج کو صرف اور صرف ایک گروہ طالبان نے ناکوں چنے چبوا دیئے۔ اور اب جبکہ امریکہ اور اس کے اتحادی اپنے گلے میں شکست کا طوق لٹکائے یہاں سے نکل رہے ہیں تو ان طالبان کا فخر و اعتماد ۱۹۸۹ء سے کئی گنا زیادہ ہو گیا ہے۔ ۲۰۰۱ء میں امریکہ نے افغانستان آ کر ہمارے لئے مشکلات پیدا کر دیں، وہ طالبان جو کہ ہمارے دوست، ساتھی اور مددگار تھے وہ ہماری طوطا چشمی کی بنا پر ہمارے مخالف ہو گئے۔ اور اب جبکہ امریکہ پتھر چاٹنے کے بعد اپنا کام ادھورا چھوڑ کر جلدی میں یہاں سے نکل رہا ہے تو ہمارے لئے اپنے ہمسایہ کے ساتھ چلنے میں کئی کانٹے بھی بکھیر کر جا رہا ہے۔ امریکہ کے یہاں آنے سے پہلے طالبان صرف افغانستان تک ہی محدود تھے مگر اب ان کا سلسلہ دور دور تک پھیل گیا ہے، ہے۔ امریکہ کے صدر اُباما نے ۲۰۱۱ء میں اعلان کیا تھا کہ وہ اپنی فوجیں ۲۰۱۴ء میں افغانستان سے نکال لیں گے۔ ہم لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ۲۰۱۴ء ابھی بہت دور ہے اور اس کے آنے تک ہم امریکہ کے ساتھ مل کر اپنے آپ کو اتنے مضبوط بنا لیں گے کہ طالبان جیسے کمزور گروہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ مگر وقت ہوا کے گھوڑے پر ایسا سرپٹ دوڑا اور طالبان کے مسلسل حملوں کے دباؤ نے یہاں تک پہنچا دیا کہ

امریکہ سمیت کسی کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔ ہم لوگ اپنا سر شتر مرغ کی طرح ریت میں دیئے بیٹھے رہے، امریکہ نے اپنے مفاد کی سوچتے ہوئے اور اپنے نقصان کو کم سے کم کرنے کے لئے ۲۰۱۴ء کی بجائے ۲۰۱۳ء کی ابتداء ہی سے اپنی آدھی فوجیں واپس بلانا شروع کر دیں۔ اور ساتھ ساتھ امریکہ انہی طالبان کے ساتھ مذاکرات کی میز سر پر رکھے ہوئے مختلف ممالک میں سجانے کے چکر میں ہے۔ اور ہم نے بھی امریکہ کی دیکھا دیکھی مذاکرات کی پیش کش کر دی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ مذاکرات پہاڑوں میں ہونگے یا کسی پُرتعیش مقام پر۔ کیا طالبان اتنے سادہ ہیں کہ وہ آسانی سے پُرامن معاہدہ کر لیں گے۔ وہ کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلے ہوئے۔ انہوں نے دنیا کی پچاس بہترین تربیت یافتہ برّی اور فضائی فوجوں سے مسلسل گیارہ سال تک نبرد آزمائی کی ہے۔ وہ اپنا ہر قدم سوچ سوچ کر رکھنے کے عادی بن چکے ہیں۔ وہ ہر ایک کو شک یا دشمن کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ موت کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر جینے کے عادی ہیں۔ وہ کوئی روٹھے ہوئے معصوم بچے نہیں ہیں کہ پیار و پچکار یا ٹافی کی لالچ میں مان جائیں گے۔ یا وہ ایمان فروش اور وطن فروش ہیں جو کہ سوئٹزرلینڈ یا کسی یورپی ملک میں بھاری بنک بیلنس کے ساتھ کسی آرام دہ گھر میں فروکش ہو جائیں گے۔

ہمارا پورا معاشرہ فکری انتشار کا شکار ہے جبکہ طالبان ملا عمر کی قیادت میں متحد ہیں۔ امریکہ یہاں سے نکلتے ہوئے اپنا سارا فوجی سامان بھی ساتھ لے جانا چاہتا ہے، وہ یہ سامان یہاں پر کسی بھی صورت میں چھوڑنا نہیں چاہتا ہے کیونکہ وہ اس سے پہلے یہ غلطی کر چکا ہے، جب سوویت یونین کو شکست ہوگئی تھی تو امریکہ اپنا سارا فوجی سامان یہاں ہی چھوڑ گیا تھا، کچھ تو پاکستان میں رہ گیا اور باقی افغانستان کی مجاہدین کی جماعتوں کے ہاتھ لگ گیا، جس میں سے طالبان کی جماعت پیدا ہوگئی، اور پھر اُسی سامان سے طالبان نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں سے جنگ لڑی۔ اب امریکہ یہ رسک نہیں لینا چاہتا۔ جبکہ طالبان کا نظریہ ہے کہ امریکہ اسی طرح خالی ہاتھ واپس جائے، اور امریکی سامان حرب کو مال غنیمت کے طور پر وہ اپنے پاس رکھیں۔ اب جبکہ امریکہ اپنے فوج اور سامان حرب کو لے کر نکلے گا تو طالبان کی طرف سے بھرپور حملے ہونگے۔

اسی لئے امریکہ پاکستان میں ہونے والے الیکشن میں ایسی حکومت لانے کی کوشش میں ہے

کہ جو اس کے مفادات کا خیال رکھے۔ اور امریکی فوجوں کے پُر امن انخلا میں اس سے تعاون کرے۔ اس لئے امریکہ نے طالبان سے مذاکرات کی میز سجانے کا اعلان کیا ہے، اور ادھر پاکستان میں بھی طالبان سے مذاکرات کی صدا دی جا رہی ہے۔ امریکہ نے صرف افغان طالبان سے مذاکرات کی دعوت دی ہے، اس کو پاکستان کے فسادات، قتل غارت گری جو کہ طالبان کے نام سے کی جا رہی ہے اس سے کوئی سروکار نہیں۔

ہمارا مسئلہ افغان طالبان نہیں بلکہ پاکستان میں جو تحریک طالبان کے نام سے گروہ موجود ہے ان کے دل کے نہاں خانوں میں اپنے لئے جگہ بنانی ہے۔ پاکستانی طالبان سے مذاکرات کے لئے تمام قوتوں کا متحد ہونا ضروری ہے، خصوصاً فوج کا اس میں کردار بہت اہم ہے، اس لئے کہ فوج پر حملوں میں پاکستانی طالبان کا نام بہت وثوق سے لیا جا رہا ہے، یہ کہاں تک سچ ہے اس کا فیصلہ مذکرات کی میز پر دونوں فریقوں کے بیٹھنے کے بعد ہی ہوگا۔ اگر ہم نے فوج کو اعتماد میں نہ لیا تو بہت زیادہ نقصان ہو سکتا ہے۔ اس کا مزہ ہم سوات امن معاہدہ میں چکھ چکے ہیں۔

جہاں تک میرا ناقص خیال ہے تحریک طالبان لال مسجد کے ظلم کا رَدِّ عمل ہے، کیونکہ اس سے پہلے خودکش حملوں کی ایسی ناگہانی صورت نہ تھی۔ ان کا حل میری ناقص رائے میں یہ ہے کہ لال مسجد کے مجرموں کو اگر کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے تو اس سے امن کی راہیں کھل جانے کا احتمال ہے۔

ایسے حالات میں دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہمارے پاس کوئی ایسا لیڈر ہے جو کہ اس شکست خوردہ اور مظلوم قوم کو ان مشکلات سے اس طرح نکال کر لے آئے جس طرح مکھن سے بال نکال دیا جاتا ہے۔ یا ملک وقوم کے بطن میں پلنے والے انقلاب کی نمود میں بغیر اپریشن کے کوئی کردار ادا کرے۔ آج کل ایک شیخ الاسلام کینیڈا سے ڈالروں کا ٹرالر لے کر گھوم رہے ہیں، ان کے ارادے صاف ظاہر ہیں۔ وہ خود اور ان کی اولاد دوغلی شہریت رکھنے کی بنا پر قانوناً الیکشن میں حصہ نہیں لے سکتے، پھر یہ ڈالر لے پھیری لگانے کا کیا مقصد ہے؟۔ کسی بھی لیڈر میں اتنی صلاحیت نہیں ہے۔ آج صرف اور صرف ایک مسیح الملک کی ضرورت ہے، ہے کوئی ایسا؟

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر سب سے پہلا فتوائے تکفیر

تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی قسط 28

مولانا بٹالوی کا اپنا اقرار کہ ''براہین احمدیہ'' میں نبوت کا دعویٰ موجود تھا

کسی بھی کتاب کو شائع کرنے سے پہلے اگر اس کا مسودہ عوام الناس کے سامنے مطالعہ کے لئے پیش کر دیا جائے تو اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کو پڑھ کر اگر اس پر اپنی تشفی کے لئے کوئی سوال کر دیتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ اس کا جواب بھی دیدیا جاتا ہے، جبکہ مستقل کتاب شائع کر دینے کے بعد جو اشکالات لوگوں کی طرف سے آتے ہیں ان کا جواب دینے کے لئے پھر ایک کتاب شائع کرنا پڑتی ہے۔ جیسا کہ ہمارے ساتھ ہوا کہ ہم نے اپنی پہلی کتاب ''سب سے پہلا فتوائے تکفیر'' کا پہلا ایڈیشن شائع کیا تو اس پر اعتراضات آئے جس کے جواب کے لئے ہم نے باقاعدہ ''تاریخ ختم نبوۃ'' کے نام سے دوسری کتاب شائع کی۔

۲۰۰۷ء میں ہم نے اپنی پہلی کتاب ''سب سے پہلا فتوائے تکفیر'' کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کا ارادہ کیا تو غور کیا کہ اس میں کئی چیزیں ایسی تھیں جو کہ پہلے ایڈیشن میں شائع نہ ہوسکیں، نیز یہ ایڈیشن نئی ترتیب کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے، تو اس وقت مرشدی و مولائی حضرت سید نفیس الحسینی صاحب ؒ نے مشورہ دیا کہ اس دوسرے ایڈیشن میں نئی باتیں بھی آرہی ہیں اور ساتھ ہی ان پر اعتراضات بھی ہونگے پھر ان کے جواب کے لئے ایک نئی کتاب شائع کرنا پڑے گی، بہتر یہ ہے کہ اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کو اشاعت سے پہلے اپنے رسالہ ''ماہنامہ ملیہ'' میں قسط وار شائع کر دیا جائے ، تاکہ اگر کسی کو اعتراض ہو یا تصحیح کرنا ہو تو پہلے ہی کر لی جائے، چنانچہ ہمارا یہ تجربہ اس سلسلے میں صحیح ٹھہرا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہاں پیش کی جاتی ہے۔

گزشتہ شمارں میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے ابتداء میں مرزا قادیانی کے ان تمام کفریہ دعووں کی کُھل کر تائید و توثیق کی تھی جو کہ اس نے اپنی کتاب ''براہین احمدیہ''

میں کیے تھے، اوراس کتاب ''براہین احمدیہ'' کوانہوں نے ایک بے نظیر کتاب کہا تھا۔ جبکہ علماء لدھیانہ نے انہی دعووں کے متعلق فرمایا تھا کہ مرزا قادیانی نے اس کتاب میں در پردہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اور اسی بنا پر علماءِ لدھیانہ نے مرزا قادیانی پر کفر کا فتویٰ دے ڈالا تھا، اور مولانا بٹالوی مرحوم نے اس فتوائے کفر کی مخالفت کی تھی۔ بعد میں مولانا بٹالوی مرحوم نے علماءِ لدھیانہ کے موقف کو تسلم کرلیا تھا اور اُسی ''براہین احمدیہ'' کارڈ کرنا شروع کردیا۔ اوراسی کتاب میں انہوں نے احتلامات شیطانی وگوز ہاشتر اور جھوٹی لاف زنیاں (جن کو وہ پہلے اپنے ریویو میں الہامات رحمانی اور سچی پیش گوئیاں ثابت کرتے رہے) کی نشاندہی کرنی شروع کردی۔ اس کی تفصیل ہم نے گزشتہ ماہ کے شماروں میں لکھی ہے۔ اس پر ایک صاحب نے لکھا ہے کہ آپ تو مولانا بٹالوی کے پیچھے ہی پر گئے، جب مولانا بٹالوی خود لکھ رہے ہیں کہ انہیں مرزا قادیانی کے مکروہ عزائم کا پتہ ہی نہ تھا تو اس میں مولانا بٹالوی کا کیا قصور؟

تواس کے متعلق عرض ہے کہ اگر یہ بات اتنی ہی سادہ ہوتی تو کوئی مضائقہ نہیں تھا، نیز اب تک بھی تمام غیر مقلدین اس بات پر بضد ہیں کہ براہین احمدیہ میں کوئی ایسا دعویٰ نہیں تھا جس سے نبوت کا گمان ہوتا ہو، اوراس کی وجہ سے مرزا قادیانی پر کفر کا فتویٰ دیا جاتا۔ اور مولانا بٹالوی کا بھی اس پر بات اصرار تھا کہ ''براہین احمدیہ'' میں نبوت کا کہیں بھی کوئی دعویٰ نہیں پایا جاتا۔ مگر بعد میں مولانا بٹالوی کو احساس ہوا کہ علماءِ لدھیانہ کا موقف صحیح تھا۔ مولانا بٹالوی کا یہ قول بھی کئی لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرتا ہے، اوراس سے غیر مقلدّین فائدہ اٹھاتے ہیں، جیسا کہ موصوف معترض نے اٹھایا۔ یادرکھیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ہر دعوے کا مولانا بٹالوی کو بخوبی علم تھا مگر وہ اپنے دوست اور ہم مسلک مرزا غلام احمد قادیانی سے تعلق کو نبھانے کی خاطر چشم پوشی ہی نہیں بلکہ اس کی مکمل توثیق کرتے رہے۔ چنانچہ بٹالوی صاحب نے اس راز سے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر ۸ جلد ۲۰ ص ۲۲۶، ۲۲۷ میں ''کرشن قادیان اور مسلمانان'' کے عنوان سے یوں پردہ اٹھایا ہے:

قادیان کے کرشن (مرزا غلام احمد) مہاراج نے پہلے وکیل ومناظر غیر اقوام من جانب اسلام کا روپ بھرا تھا اور قرآن واسلام کی حقانیت پر تین سو دلائل قرآن ہی سے نکالنے کا وعدہ دے کر (بحسب اعتراف خود) دس ہزار روپیہ مسلمانوں کا بٹورا وازانجا کہ ان تین سو دلائل کا وجود کتاب براہین میں تو کب ہوتا اس کے دماغ میں بھی نہ

تھا۔ لہٰذا اس کتاب کے تیسرے حصے (یا جلد) سے ایک اور روپ ''ولی اور نبی'' بننے کا جمایا اور وحی والہام (جو انبیاء واولیاء کا خاصہ ہے) کا دعویٰ کرکے پیری مریدی کا جال بچھایا، ان الہاموں میں کبھی آپ نے آدم علیہ السلام کا روپ بھرا کبھی حضرت عیسیٰ و آنحضرت ودیگر انبیاء علیہم السلام کا اوتار لیا اور اس ذریعے بہت سے عقل کے اندھوں اور گانٹھ کے پوروں کو اپنے دام میں پھنسایا۔

(بحوالہ اشاعۃ السنہ نمبر ۸ جلد ۲۰ ص ۲۲۶، ۲۲۷)

ملاحظہ فرمایئے! مولانا بٹالوی نے اس سے پہلے فرمایا تھا کہ ''براہین احمدیہ'' میں کوئی دعویٰ نبوت کا نہیں پایا جاتا۔ اس لیے مولانا بٹالوی نے اس پر ریویو لکھا۔ مگر اب بٹالوی صاحب خود اپنے کیئے پر پچھتا رہے ہیں اور اس بات کا علی الاعلان اقرار کررہے ہیں کہ مرزا قادیانی نے واقعی ''براہین احمدیہ'' کی تیسری جلد میں ولی اور نبی کا روپ جمایا، اور اپنے آپ کو آدم اور عیسیٰ وآنحضرت ودیگر انبیاء علیہم السلام کا اوتار لکھا تھا۔ بعد میں وہ انہیں دعووں پر اڑ گیا۔ یاد رکھیں کہ خاندان علماء لدھیانہ نے تو مرزا قادیانی کی کتاب ''براہین احمدیہ'' کی چوتھی جلد سے نبوت کے دعوے کو بھانپا تھا، جبکہ مولانا بٹالوی تو اس سے پہلے ہی تیسری جلد سے جانتے تھے کہ یہ شخص اس کتاب میں نبوت کے دعوے کی پٹڑی بچھا رہا ہے، اس کے باوجود بٹالوی صاحب نے چوتھی جلد کی اشاعت پر علماء لدھیانہ کے کفر کے فتوے کا ردّ لکھا۔

سکھوں کی سمجھداری

ہمارے بعضے اہل علم کہلانے والے مرزا قادیانی کے کلمات کفریہ اور ملحدانہ دعووں کو نہ سمجھ سکے بلکہ اس کی تعریف اور توصیف میں ایک طویل ریویو لکھ دیا اور سمجھ نہ پائے کہ اس میں دعویٰ نبوت کا پایا جاتا ہے۔ مگر مرزا قادیانی نے جب اپنے آپ کو سکھوں کا پیشواء گرونانک بنانے کی کوشش کی تو فوراً سکھ اس بات کو تاڑ گئے اور مرزا قادیانی کی چالاکی پر فوراً گرفت کرکے اس کو ردّ کردیا اس پر مولانا بٹالوی یوں رقم طراز ہیں:

جوں جوں مہاراج کی دولت بڑھتی گئی حرصِ مال زیادہ ہوتی گئی، لہٰذا آپ نے (مرزا قادیانی)ایک اور روپ (سکھوں کے گرونانک صاحب) کے بھرنے کا ٹھہرایا

اوراس کے واسطے پہلی پٹری یہ جمائی کہ گرونانک صاحب آپ کے ہم مذہب تھے۔تا کہ سکھ پارٹی سے جواس وقت مال و دولت میں بڑھی ہوئی ہے اوران میں کئی ریاستوں کے والی راجہ مہاراجہ ہیں کچھ روپیہ آوے،اورزیورات اورقوت باہ کے یاقوتیوں کے کام میں صرف ہو۔سکھوں میں کوئی ان کا قائل ومائل ہوجاتا تو ایک نہ ایک دن اس میں ضرور باوا نانک صاحب بن جانا تھا۔مگرچونکہ سکھ پارٹی کے لیڈرتعلیم یافتہ تھے۔وہ آپ کی چال تاڑ گئے اوراس کے قابو میں نہ آئے اورانہیں بجائے (ویلکم)لبیک کے تبرّے سنائے۔

(بحوالہ اشاعۃ السنہ نمبر۸ جلد۲۰ ص ۲۲۷)

مولانابٹالوی کوداددیں کہ انہوں نے سکھوں کی دوراندیشی کا کس طرح واشگاف الفاظ میں اقرار کرلیا۔اے کاش کہ مولانابٹالوی مرحوم بذات خودبھی اتنے ہی دوراندیش ہوتے۔

مرزاغلام احمدقادیانی کی طرف سے لدھیانہ شہرکو اہمیت دینے کی وجہ

گذشتہ شماروں میں ہم نے یہ بات لکھی تھی کہ مرزاغلام احمدقادیانی پرلدھیانہ میں اوّل مکفرّین کی طرف سے گھیرااس انداز میں تنگ کردیا تھا کہ اوّل مکفرّ مولانامحمدلدھیانویؒ کی طرف سے تعاقب کرنے کی وجہ سے مرزاقادیانی ایساگھبرایاکہ پھران کی زندگی میں لدھیانہ نہیں گیا۔

اس پربھی ہمارے کچھ کرم فرماؤں نے لکھاہے کہ مرزاغلام احمدقادیانی نے اپنے تمام دعووں کامرکزتولدھیانہ شہرکوبنارکھاتھا،وہ اس کام کے لیے باربارلدھیانہ جاتارہا،آخرکوئی توبات تھی جس کی پردہ داری ہے؟

نیزان کرم فرماؤں نے مرزاغلام احمدقادیانی کے لدھیانہ کے اسفاربھی تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔انہوں نے غیرمقلدّین کے مکتبۂ فکرکے نامورقلم کارڈاکٹربہاؤالدّین کاایک مضمون جوکہ ’ہفت روزہ الاعتصام لاہور‘‘میں شائع ہواتھاکایہ اقتباس بھی بھیجاہے۔ڈاکٹرصاحب لکھتے ہیں:

لدھیانہ مرزاصاحب کامحبوب شہرتھااوراگرچہ ان کااس شہرسے آبائی تعلق نہیں تھا اورنہ ہی یہ شہرقادیان کے مضافات میں واقع ہے کہ انیسویں صدی کے ذرائع آمدورفت

کے ساتھ وہاں آنا جانا آسان بات ہوتی۔تاہم مرزا صاحب اتنی مرتبہ لدھیانہ گئے ہیں کہ اس کا شمار مشکل ہے اور قادیانی لٹریچر کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ لدھیانہ جا کر اتنا طویل قیام کرتے کہ لگتا ہے کہ واپسی گھر کا رستہ بھول ہی جاتے تھے۔

مرزا صاحب نے جب لدھیانہ جانا شروع کیا اس وقت اس شہر سے ان کا سسرالی تعلق بھی نہیں تھا۔ بلکہ ایک طرح سے یہ شہر کوچہ رقیب تھا۔جیسا کہ ان کے بیٹے مرزا بشیر احمد نے لکھا ہے کہ جب اس کی ماں (نصرت بیگم دہلوی) کی شادی کی بات چل رہی تھی تو اس کے لیے دو رشتے آئے تھے۔ایک شخص کا تعلق لدھیانہ سے تھا اور دوسرا مرزا غلام احمد۔(سیرت المہدی حصہ دوم ص ۱۱۱)

بعد میں جب اس خاتون کی شادی مرزا صاحب سے ہوگئی اور آپ کے نئے سسر میر ناصر بسلسلہ ملازمت کافی عرصہ لدھیانہ میں مقیم رہے تو اس طرح اس شہر کی حیثیت بدل کر مرزا صاحب کے لیے کوچۂ حبیب کی سی ہوگئی اور یوں ان کی آمد و رفت میں بھی اضافہ ہوگیا۔

مرزا غلام احمد کا مولد و منشاء تو قادیان ہے لیکن انہیں لدھیانہ میں اتنی پذیرائی ملتی تھی کہ انہوں نے خود جو دعوے کئے ہیں وہ زیادہ تر لدھیانہ میں کئے ہیں۔مثلاً انہوں نے مجدّد ہونے کا دعویٰ کرنے کے لیے لدھیانہ کا انتخاب کیا اور ۱۸۸۴ء میں یہاں آ کر وہ مجدّد ہونے کے مدعی ہوئے .... پیر طریقت ہونے کا دعویٰ بھی انہوں نے لدھیانہ میں کیا اور یہیں مارچ ۱۸۸۹ء عیسوی میں لوگوں سے بیعت لے کر سلسلہ احمدیہ یا جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھی۔ جسے مرزائی اسلام کی نشائۃ ثانیہ کا نام دیتے ہیں۔مسیح موعود یا مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ بھی انہوں نے لدھیانہ سے عوام میں مشتہر کیا۔

۱۔ تاریخ احمدیت میں لکھا ہے کہ آپ پہلی مرتبہ ۱۸۸۴ء کی پہلی سہ ماہی میں لدھیانہ گئے.........اسی سفر میں انہوں نے مجدّد ہونے کا دعویٰ کیا اور لدھیانہ میں ان کے عقائد و نظریات پر بحث کا آغاز ہوا اور مولوی محمد لدھیانوی اور مولوی عبدالعزیز لدھیانوی کے ذریعے معاملہ دارالعلوم دیوبند پہنچا اور وہاں مولانا رشید احمد گنگوہی سے ان

بزرگوں کی بحث بھی ہوئی جو مولانا محمد یعقوب نانوتوی کو حکم بنانے پر منتج ہوئی اور مولانا نانوتوی نے فیصلہ دیا کہ مرزا غیر مقلد ہے ہم اس بحث کی تفصیلات الاعتصام کے قارئین کی نظر کر چکے ہیں۔

(۲) ۱۴/ اکتوبر ۱۸۸۴ء کو مرزا قادیانی لدھیانہ گیا۔

(۳) ۲۷/ دسمبر ۱۸۸۵ء منشی احمد جان کی وفات پر تعزیت کے لیے گیا۔

(۴) فروری ۱۸۸۸ء میں بھی لدھیانہ گیا۔

(۵) فروری ۱۸۸۹ء اور ۱۸/ اپریل ۱۸۸۹ء کو لدھیانہ گیا۔

(۶) اکتوبر ۱۸۸۹ء اور جولائی ۱۸۹۰ء کو لدھیانہ گیا۔

(۷) ۱۸۹۱ء اور ۱۸۹۲ء میں کئی دفعہ گیا۔

(۸) ۱۹۰۵ء میں لدھیانہ گیا اور لدھیانہ میں لیکچر دیا جو کہ لیکچر لدھیانہ کے نام سے بعد میں شائع کیا گیا۔

نیز ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں مرزا قادیانی کی پہلی بیعت بھی لدھیانہ میں ہوئی۔ مرزا کی کتابیں فتح اسلام اور توضیح مرام ، ازالہ اوہام وغیرہ بھی لدھیانہ میں لکھی گئیں۔ نیز مسیح موعود یا مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ بھی لدھیانہ میں کیا۔

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۱۶ مارچ ۲۰۰۱ء ص ۱۷ تا ۲۰)

نوٹ:۔ تحریر کچھ لمبی تھی ہم نے اس کی تلخیص لکھ دی۔

اگر چہ راقم نے اپنی کتاب ''تاریخ ختم نبوت'' میں بھی اس پر تفصیلاً بحث کی ہے، اور اس قسم کے اشکالات کا ازالہ کیا ہے، مگر قارئین کی تسلی کے لیے اختصاراً یہاں پر بھی ذکر کر دینا مناسب ہے۔

پہلی بات یہ کہ ہم نے کہیں نہیں لکھا کہ مرزا قادیانی صرف ایک بار لدھیانہ آیا، بلکہ یہ لکھا تھا کہ وہ جب بھی آیا خاندانِ علماء لدھیانہ نے اس کا گھیراؤ کیا، البتہ آخری بار جب آیا تو مولانا محمد لدھیانویؒ نے مرزا قادیانی سے فیصلہ کن معرکہ لڑنے کا پروگرام بنایا، جس پر وہ پچھلے دروازے سے بھاگ کر جان بچا گیا۔ البتہ مرزا قادیانی کے لیکچر لدھیانہ سے یہ اقتباس نقل کیا تھا کہ ''میں اس شہر میں ۱۴ ربرس کے بعد آیا ہوں'' یہ لیکچر اس نے ۱۹۰۵ء میں دیا۔ اس حساب سے گذشتہ چودہ سالہ مدت سن

کے اعتبار سے ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۵ء ہی بنتی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خاندان علماء لدھیانہ کی اتنی مخالفت کے باوجود مرزا قادیانی کن لوگوں کے بل بوتے پر لدھیانہ آتا رہا اور کون کون لوگ اس کی حفاظت کرتے رہے۔

صاف ظاہر ہے کہ اس دوران ۱۸۸۴ء سے لے کر ۱۸۹۱ء تک مرزا غلام احمد قادیانی مکتب فکر غیر مقلّدین کے ممتاز عالم اور آنریری مجسٹریٹ مولانا محمد حسن رئیس لدھیانہ کی حفاظت میں لدھیانہ آتا رہا۔ چونکہ علماء اہل حدیث کے نقطۂ نظر کے مطابق ۱۸۸۴ء سے لے کر ۱۸۹۱ء تک مرزا قادیانی میں کوئی کفر کی وجہ نہیں پائی جاتی تھی اس لئے ان کے نزدیک اپنے ہم مسلک مرزا غلام احمد قادیانی کی حفاظت کرنا بے حد ضروری تھا۔ اس کی تفصیل گزشتہ شماروں میں لکھی جا چکی ہے، مگر ذہن کی تازگی کے لیے اختصاراً یہاں پھر ذکر کر دینا مناسب ہے۔

مثلاً ۱۸۸۴ء میں جب مرزا قادیانی نے لدھیانہ میں آکر مجدّد ہونے کا دعویٰ کیا تو اس وقت وہ مولانا بٹالوی کے نزدیک صحیح العقیدہ مسلمان تھا اور اس کے تمام الہامات جو ''براہین احمدیہ'' میں اس نے کئے تھے وہ صحیح تھے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے مرزا غلام احمد قادیانی کے ''براہین احمدیہ'' میں کئے گئے ہر دعوے کی نہ صرف تائید و تصدیق کی بلکہ اس کے دعووں کی مخالفت کرنے والوں کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ مولانا بٹالوی نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب ''براہین احمدیہ'' میں جن الہامات کو صحیح قرار دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، ان الہاموں میں ایک الہام یہ بھی ہے۔ یَا مَرْیَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّۃ اس الہام کے متعلق مولانا محمد حسین بٹالوی رقم فرماتے ہیں:

> یَا مَرْیَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّۃَ میں لفظ مریم سے مؤلف مراد ہے۔ جس کو ایک روحانی مناسبت کے سبب مریم سے تشبیہ دی گئی ہے۔ وہ مناسبت یہ ہے کہ جیسے حضرت مریم علیہا السلام بلاشوہر حاملہ ہوئی ہیں چنانچہ ظاہر قرآن کی دلالت ہے اور انجیل میں تو اس پر صاف تصریح ہے۔ ایسے ہی مؤلف براہین بلا تربیت وصحبت کسی پیر، فقیر، ولی، مرشد کے ربوبیت غیبی سے تربیت پا کر مورد الہامات غیبیہ وعلوم لدنیہ ہوئے ہیں۔ اس تشبیہ کی ایک ادنیٰ مثال نظامی کا یہ شعر ہے جس میں انہوں نے اپنی طبیعت کو مریم سے تشبیہ دی ہے۔

ضمیرم نہ زن بلکہ آتش زن است
کہ مریم صفت بکر آبستن ست

اس صورت میں مریم کا خطاب بہ صیغہ تذکیر محل اعتراض نہیں اور اس کے لئے زوج کا اثبات بھی مستبعد نہیں۔ یہاں تو زوج سے مؤلف کی اتباع ورفقاء مراد ہیں۔

(اشاعۃ السنہ ص ۲۸۰ نمبر ۹ جلد ۷)

اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی کا ایک اور الہام جس میں اس نے کہا ہے کہ "میں حضرت مسیح کے مشابہ ہوں" پر مولانا بٹالوی فرماتے ہیں۔

مؤلف کو مسیح ہونے کا دعویٰ نہیں بلکہ حضرت مسیح سے مشابہت کا ادعا ہے۔ سو وہ بھی نہ ظاہر وجسمانی اوصاف میں بلکہ روحانی اور تعلیمی وصف میں۔

(اشاعۃ السنہ ج ۷ نمبر ۷ صفحہ ۱۹۱)

مرزا غلام احمد قادیانی نے مولانا محمد حسین بٹالوی سے اپنے انہی تائید وتصدیق شدہ الہامات کو اپنے منصوبے کے مطابق عملی جامہ پہنانے کا پروگرام بنایا۔ اور اس نے مریم سے آگے نکل کر ابن مریم اور مشابہت مسیح سے آگے نکل کر عین مسیح ہونے کی طرف پیشقدمی شروع کر دی۔ اس نے نہایت چالاکی کے ساتھ انہی الہامات کی مسیح موعود کے دعوے کے متعلق جو توجیہ کی، ملاحظہ فرمایئے:

خدا تعالیٰ نے "براہین احمدیہ" میں مجھے عیسیٰ کے نام سے موسوم کرنے سے پہلے میرا نام مریم رکھا۔ اور ایک مدت تک میرا نام خدا کے نزدیک یہی رہا اور پھر خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ اے مریم میں نے تجھ میں سچائی کی روح پھونک دی گویا یہ مریم سچائی کی روح سے حاملہ ہوئی اور پھر خدا نے "براہین احمدیہ" کے اخیر میں میرا نام عیسیٰ رکھ دیا۔ گویا وہ سچائی کی روح جو مریم میں پھونکی گئی تھی ظہور میں آ کر عیسیٰ کے نام سے موسوم ہو گئی۔ اس طرح میں خدا کے الہام میں ابن مریم کہلایا اور یہی معنی اس وحی الٰہی کے ہیں کہ الحمد للہ الّذی جعلك المسیح ابن مریم۔ (حقیقت الوحی ص ۲۳۹)

پھر اس کی تفسیر حقیقت الوحی کے حاشیہ میں یوں کرتا ہے:

متن کتاب ہذا میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ کتاب براہین احمدیہ میں اوّل خدا نے میرا

نام مریم رکھا اور پھر فرمایا کہ میں نے اس مریم میں صدق کی روح پھونکنے کے بعد اس کا نام عیسیٰ رکھ دیا۔ گویا مریمی حالت سے عیسیٰ پیدا ہو گیا اور اسی طرح میں خدا کے کلام میں ابن مریم کہلایا۔ اس بارہ میں قرآن شریف میں بھی ایک اشارہ ہے اور وہ میرے لئے بطور پیش گوئی کے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اس امت کے بعض افراد کو مریم سے تشبیہ دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ وہ مریم عیسیٰ سے حاملہ ہو گئی اور اب ظاہر ہے کہ اس امت میں بجز میرے کسی نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ میرا نام خدا نے مریم رکھا اور پھر اس مریم میں عیسیٰ کی روح پھونک دی ہے اور خدا کا کلام باطل نہیں۔ ضرور ہے کہ اس امت میں کوئی اس کا مصداق ہو اور خوب غور کر کے دیکھ لو اور دنیا میں تلاش کر لو کہ قرآن شریف کی اس آیت کا بجز میرے کوئی دنیا میں مصداق نہیں۔ پس یہ پیش گوئی سورہ تحریم میں خاص میرے لئے ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے:

وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَافِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا

(ترجمہ دیکھو صورت تحریم الجزو نمبر ۲۸)

اور دوسری مثال اس امت کے افراد کی۔ مریم عمران کی بیٹی ہے، جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا، تب ہم نے اس کے پیٹ میں اپنی قدرت سے روح پھونک دی۔ یعنی عیسیٰ کی روح۔ اب ظاہر ہے کہ بموجب اس آیت کے اس امت کی مریم کو پہلی مریم کے ساتھ تب مشابہت پیدا ہوتی ہے کہ اس میں بھی عیسیٰ کی روح پھونک دی جائے۔ جیسا کہ خدا نے خود روح پھونکنے کا ذکر بھی اس آیت میں فرما دیا ہے اور ضرور ہے کہ خدا کا کلام پورا ہو۔ پس اس تمام امت میں وہ میں ہی ہوں۔ میرا ہی نام خدا نے ''براہین احمدیہ'' میں پہلے مریم رکھا اور بعد اس کے میری ہی نسبت یہ کہا کہ ہم نے اس مریم میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور پھر روح پھونکنے کے بعد مجھے ہی عیسیٰ قرار دیا۔ پس اس آیت کا میں ہی مصداق ہوں۔ میرے سوا تیرہ سو برس میں کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ پہلے خدا نے میرا نام مریم رکھا اور مریم میں اپنی طرف سے روح پھونک دی جس سے میں عیسیٰ بن گیا۔ خدا سے ڈرو اور اس میں غور کرو۔ جس زمانہ میں خدا نے

''براہین احمدیہ'' میں یہ فرمایا اس وقت تو میں اس دقیقہ معرفت سے خود بے خبر تھا۔ جیسا کہ میں نے ''براہین احمدیہ'' میں اپنا عقیدہ بھی ظاہر کر دیا کہ عیسٰی آسمان سے آنے والا ہے۔ یہ میرا عقیدہ اس بات پر گواہ ہے کہ میری طرف سے کوئی افترا نہیں اور میں خدا کی تفہیم سے پہلے کچھ نہیں سمجھ سکا

(حاشیہ حقیقت الوحی ص ۲۳۷، ۲۳۸، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ۱۹۵۲ء)

یہاں پر مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی شیطنت کے داؤ پیچ کو کھل کر لکھ دیا اور یہ تمام کاروائی ۱۸۸۴ء سے ۱۸۹۱ء کے درمیان ہوئی۔ اس عرصہ میں مرزا غلام احمد قادیانی مولانا محمد حسین بٹالوی اور ان کے ہم مسلک لوگوں کے نزدیک راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ جب کہ علمائے لدھیانہ اس پر کفر کا فتوٰی دے چکے تھے۔ اسی عرصہ میں مولانا بٹالوی کے تائید وتصدیق شدہ الہامات کی بنا پر مرزا غلام احمد قادیانی زور پکڑتا رہا اور آخر کار اس نے اپنے رفیق خاص اور جگری وفکری دوست مولانا محمد حسین بٹالوی سے پوچھے بغیر مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کر دیا۔ جس میں دونوں دوستوں میں بظاہر دوری ہوگئی۔

لُدُ سے مراد لدھیانہ (مرزا قادیانی کی تشریح)

اب قارئین یہاں سوچ رہے ہوں گے کہ سائل نے تو لدھیانہ میں مرزا قادیانی کی آمدو رفت کا ذکر کیا تھا مگر یہاں پر تو کوئی اور کہانی سنا دی گئی۔

ہم یہاں پر یہی کہیں گے کہ اس تمام رام کہانی کا تعلق لدھیانہ کے متعلق سوال سے ہی ہے۔ وہ یوں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جب مولانا بٹالوی سے تائید وتصدیق شدہ الہامات کی بنیاد پر مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کر دیا تو اس پر کسی دلیل کی بھی ضرورت تھی، اس کے لئے اس نے احادیث کا سہارا لیا۔ بہرحال احادیث میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ وہ باب لُدُ کے پاس دجّال کو قتل کریں گے۔

اب مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۸۸۴ء سے ۱۸۹۱ء تک لدھیانہ میں جو چکر لگائے اس کے منصوبے میں یہ تھا کہ مسیح ہونے کے لئے باب لُدُ کو کہاں تلاش کیا جائے۔ چنانچہ اس کے شیطانی ذہن نے کچھ گھڑ ہی لیا۔

وہ لکھتا ہے:

اَوَّلُ بَلْدَۃٍ بَا یَعْنِیَ النَّاسُ فِیْھَا اِسْمُھَا لُدْھِیَانَہ وَ ھِیَ اَوَّلُ اَرْضٍ قَامَتْ الْاَشْرَارُ فِیْھَا لِلْاِھَانَۃِ۔ فَلَمَّا کَانَتْ بَیْعَۃُ الْمُخْلِصِیْنَ۔ حَرْبَۃً لِقَتْلِ الدَّجَّالِ اللَّعِیْنِ۔ بِاِشَاعَۃِ الْحَقِّ الْمُبِیْنِ۔ اُشِیْرَ فِی الْحَدِیْثِ اَنَّ الْمَسِیْحَ یَقْتُلَ الدَّجَالَ عَلٰی بَابِ اللُّد بِالضَّرْبَۃِ الْوَاحِدَۃِ۔ فَاللُّدُ مُلَخَّصٌ مِنْ لَفْظِ لُدْھِیَانَہ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلٰی ذَوِی الْفَطْنَہ۔

(حاشیہ: روحانی خزائن رسالہ الہدیٰ صفحہ ۳۴۱)

یعنی سب سے پہلے میرے ساتھ لدھیانہ میں بیعت ہوئی تھی۔ اور سب سے پہلے اسی زمین میں شریر لوگ اہانت کے لیے کھڑے ہوئے۔ پس جب مخلص لوگوں کی بیعت ہوئی جو دجّال کے قتل کے لئے ایک حربہ تھی۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ مسیح موعود دجال کو باب لُدّ میں قتل کرے گا۔ پس لُدّ دراصل مختصر ہے لدھیانہ سے۔ جیسا کہ ذہین لوگوں پر مخفی نہیں ہے۔

اس پر مولانا ثناء اللہ امرتسری اپنے رسالہ فاتح قادیان میں لکھتے ہیں:

حدیث میں آیا ہے کہ مسیح موعود دجاّل کو باب لُدّ میں قتل کریں گے۔ محدثین کہتے ہیں کہ باب لُدّ شام کے ملک میں ایک مقام ہے۔ مگر مرزا صاحب چونکہ مسیح موعود ہونے کے مدعی تھے اور پنجاب کے باشندے اور پنجاب سے باہر نہ گئے تھے نہ ارادہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اس حدیث کی تاویل ایسی کی جس سے شہر لدھیانہ کی فضیلت ثابت ہوسکتی ہے۔ (فاتح قادیان ص ٦)

اس تحریر میں مرزا قادیانی نے اس بات کی بھی وضاحت کردی کہ سب سے پہلے اسی شہر سے اس کی اہانت کے لیے لوگ کھڑے ہوئے۔ لازمی بات ہے کہ اس کی توہین کرنے والے خاندانِ علماء لدھیانہ ہی کے افراد تھے کوئی اور نہیں تھا۔

تو لیجئے ساری بحث کا لب لباب یہ نکلا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے اس الہام یَا مَرْیَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے لدھیانہ میں جانا آنا شروع کیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے اپنے الہام کو شیطانی داؤ پیچ کے ساتھ لدھیانہ پر منطبق کردیا۔ (جاری ہے)

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ

اور رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمہ اللہ

کا باہمی تعلق

ماخوذ از آپ بیتی

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا سوال اور بندہ کا جواب:

(۱)......مولانا حبیب الرحمٰن رئیس الاحرار کے دیکھنے والے تو ابھی بہت ہوں گے اور نام سننے والے تو بہت زیادہ۔ مُنتہاء میں تو مرحوم کو مجھ سے بہت زیادہ محبت ہوگئی تھی اور تعلق اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ وہ بجائے دہلی کے سہارنپور میرے پاس رہنے کی تمنائیں بڑی کثرت سے کیا کرتے تھے بلکہ اصرار بھی اور میں اپنے بے کار اور ان کے باکار ہونے کی وجہ سے اس کو کبھی قبول نہیں کرتا تھا۔لیکن ابتداء میں میرے اور مرحوم کے تعلقات بہت ہی خراب تھے۔ان کی تو مظاہر میں کبھی ان زمانے میں آمد نہیں ہوتی تھی۔ لیکن مجھے دیوبند کبھی کبھی حضرت قدس سرہٗ کا فرستادہ بن کر کتب خانے سے کسی کتاب کی تلاش میں یا محترمین مہتمین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کسی بات پر مشورہ کے لیے جانا ہوتا تھا۔ایک بجے دلی سے جانا ہوتا تھا اور ہمروزہ واپسی کے ارادہ سے جانا ہوتا تھا۔

رئیس الاحرار صاحبؒ مجھ سے بہت واقف تھے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں۔ مدرسہ کا مدرس ہوں اور میں ان سے صرف اتنا واقف تھا کہ لدھیانہ کا کوئی طالب علم جس کو پڑھنے پڑھانے سے کوئی تعلق نہیں لیڈری کرتا تھا، وہ چونکہ گھومتے رہتے تھے اس واسطے میری دیوبند کی ہر مرتبہ کی آمد پر دوتین مرتبہ ان کا سامنا ہوتا اور وہ بہت ہی چلا کر مجھے سنا کر بہت ناراضی کا اظہار کیا کرتے تھے، اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ میں سیاست سے بالکل بے تعلق، اخبار بینی کا دشمن ہوں اور اس زمانے میں دیوبند، سہارنپور میں اخبار بینی آئی بھی نہیں تھی۔ سہارنپور کا کوئی طالب علم یا مدرس تو اخبار بینی جانتا ہی نہ تھا کہ کیا بلا ہے۔ حضرت قدس سرہٗ کی چارپائی پر عصر کے بعد دو چار اخبار پڑے رہتے تھے جن کو کوئی باہر کا مہمان اٹھا کر دیکھ لیتا تھا۔ دیوبند میں مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالی اور ان کے ہمنوا تو نہایت مخالف اور اخبار بینی کے دشمن۔لیکن مولانا شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہ مدرسین کوئی ایک آدھ دیکھ لیتا تھا۔ رئیس

الاحرار صاحب مرحوم جب مجھے دیکھتے، دور سے چلا کر کہتے ''ایسے شخص کا وجود زمین پر بوجھ ہے، یہ مرکیوں نہیں جاتے، ان کے لیے زمین کا اندرون زمین کے بیرون سے بہتر ہے۔'' وغیرہ وغیرہ۔ اوراس نا کارہ کی اتنی جرأت تو نہیں ہوتی تھی کہ پکار کچھ کہتا۔ مگر ایک دو طالب علم جو مجھے دیکھ کر میرے ساتھ ہو لیتے تھے ان سے پیاماً کہلوا دیتا تھا کہ ''اس شخص کو مدرسہ کی روٹی کھانا حرام ہے، مدرسہ کا چندہ لیڈری کے واسطے نہیں آتا۔ جس شخص کو پڑھنے پڑھانے سے کوئی واسطہ نہ ہو، مطالعہ سبق سے کوئی کام نہ ہواس کو مدرسہ کی روٹی کھانا حرام ہے۔ مدرسہ کے اندر قیام ناجائز ہے۔ مدرسہ کی ہر قسم کی اعانت حاصل کرنا گناہ ہے'' وغیرہ وغیرہ۔ اس پیام پر مرحوم اور بھی زیادہ برافروختہ ہوا کرتے۔ کئی سال یہی قصہ رہا۔

مگر اللہ جل شانہٗ نے مرحوم کی دستگیری فرمائی کہ اعلیٰ حضرت قدوۃ الاتقیاء فخر الاولیاء حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے اخیر زمانۂ حیات میں حضرت قدس سرہٗ سے حضرت الحاج شاہ عبدالقادر صاحب نورہ اللہ مرقدہٗ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے کہ اس زمانے کا دستور یہی تھا کہ اعلیٰ حضرت سے جو شخص بیعت ہونا چاہتا تھا، ضعف و نقاہت کی وجہ حضرت خود تو نہ فرماتے تھے، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ بیعت کے الفاظ کہلا دیتے تھے۔ بڑوں کے ہاتھ میں ہاتھ دینا اثر سے خالی نہیں جاتا۔ چنانچہ یہ تعلق رنگ لائے بغیر نہیں رہا اور اخیر میں تو رئیس الاحرار کو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے عشق کا تعلق ہو گیا تھا اور حضرتؒ کی وجہ سے اس سیہ کار سے بھی، لیکن شروع کے چند سال ایسے گزرے کہ مرحوم اپنی سیاحت میں رہتے۔ کلکتہ، بمبئی اور پشاور وغیرہ ان کی روزمرہ کی گزرگاہ تھی اور سہارنپور ہر جگہ کا جنکشن۔ اس لیے جب سہارنپور سے گزر ہوتا ہوہر روز واپسی یا ایک شب قیام کے لیے رائے پور بھی جاتے۔

اس کے دیکھنے والے تو آج بھی سینکڑوں ہیں کہ حضرت ادس شاہ عبدالقادر صاحبؒ کو اس سیہ کار کے ساتھ عشق کا سا تعلق تھا، جملہ معترضہ کے طور پر ایک واقعہ لکھتا ہوں کہ میرے مخلص دوست صوفی اقبال پاکستانی ثم المدنی جو پاکستان میں ملازم تھے جب حضرت رائے پوریؒ پاکستان جاتے اور صوفی اقبال مجھے خط لکھتے تو بہت اصرار سے مجھے لکھا کرتے کہ میرے خط کے جواب میں حضرت رائے پوری کو سلام ضرور لکھ دیجیو۔ اس لیے کہ جب میں عصر کے بعد کی مجلس میں یوں کہہ دیتا ہوں کہ شیخ کا خط آیا ہے

حضرت کو سلام لکھا ہے تو فوراً چارپائی کے قریب بلایا جاتا ہوں اور فوراً خیریت وحالات وغیرہ دریافت کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے مغرب تک چارپائی کے قریب بیٹھنا نصیب ہو جاتا ہے۔

اس تعلق کی بناء پر جب کوئی شخص رائے پور حاضر ہوتا تو حضرت کا پہلا سوال یہ ہوتا کہ شیخ سے مل کر آئے یا نہیں؟ اگر وہ کہتا کہ مل کر آیا ہوں تو بڑی بشاشت سے بات پوچھتے، خیریت پوچھتے، کیا کر رہے تھے؟ کوئی پیام دیا وغیرہ وغیرہ اور اگر وہ کہتا کہ نہیں مل کر آیا تو زیادہ التفات نہ فرماتے، بلکہ جیسا تعلق ہوتا ویسا ہی برتاؤ کرتے۔ اس مجبوری کو بہت سے ایسے لوگ جن میں رئیس الاحرار بھی تھے باوجود دل نہ چاہنے کے نہایت گرانی کے ساتھ کھڑے کھڑے مصافحہ کرنا ضروری سمجھتے تاکہ وہ یہ کہہ سکیں کہ ہو کر آیا ہوں اور سلام عرض کیا ہے اور میں بھی اس قسم کے لوگوں سے باوجود جی نہ چاہنے کے چاہے کتنی ہی مشغولی کا وقت ہو اور کتنا ہی ضروری کام کر رہا ہوتا ضرور بلا کر حضرت کی خدمت میں سلام عرض کر دیتا۔ مبادا وہ جا کر کہہ دیں کہ میں تو حاضر ہوا تھا باریابی نہ ہوئی۔

رئیس الاحرار مرحوم سے کئی سال سے صرف اس نوع کی ملاقات رہی۔ ایک مرتبہ ۱۰ صبح کو میں اوپر اپنے کمرے میں نہایت مشغول تھا، مولوی نصیر نے اوپر جا کر کہا کہ ''رئیس الاحرار آئے ہیں رائے پور جا رہے ہیں صرف مصافحہ کرنا ہے۔'' میں نے کہا ''جلدی بلاؤ'' مرحوم اوپر چڑھے اور زینے پر چڑھتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا کر کہا کہ ''رائے پور جا رہا ہوں اور ایک سوال آپ سے کر کے جا رہا ہوں اور پرسوں صبح واپسی ہے اس کا جواب آپ سوچ رکھیں، واپس میں جواب لوں گا۔ یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟'' میں نے مصافحہ کرتے کرتے یہ جواب دیا کہ ''صرف تصحیح نیت۔'' اس کے سوا کچھ نہیں۔ جس کی ابتداء اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ سے ہوتی ہے اور انتہا ''اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ'' ہے۔ میرے اس جواب پر سکتہ میں طاری ہوئے اور کہنے لگے ''دلی سے یہ سوچتا آ رہا ہوں کہ تو یہ جواب دے گا تو یہ اعتراض کروں گا اور یہ جواب دے گا تو یہ اعتراض، اس کو تو میں نے سوچا ہی نہیں۔'' میں نے کہا جاؤ تانگے والے کو بھی تقاضا ہوگا، میرا بھی حرج ہو رہا ہے، پرسوں تک اس پر اعتراض سوچتے رہنا۔ اس کا خیال رہے کہ دن میں لمبی بات کا وقت نہیں ملنے کا، دو چار منٹ کو تو دن میں بھی کر لوں گا۔ لمبی بات چاہو گے تو مغرب کے بعد ہو سکے گی۔'' مرحوم دوسرے ہی دن شام کو مغرب کے قریب آ گئے اور کہا کہ ''کل رات کو تو ٹھہرنا مشکل تھا، اس لیے مجھے فلاں جلسہ میں جانا ہے

اور رات کو تمہارے پاس ٹھہرنا ضروری ہوگیا، اسلیے ایک دن پہلے ہی چلا آیا۔'' اور یہ بھی کہا کہ ''تمہیں معلوم ہے مجھے تم سے کبھی نہ عقیدت ہوئی نہ محبت۔'' میں نے کہا ''علیٰ ھذا القیاس'' مرحوم نے کہا'' مگر تمہارے کل کے جواب نے مجھ پر تو بہت اثر کیا اور میں کل سے اب تک سوچتا رہا۔ تمہارے جواب کوئی اعتراض سمجھ میں نہیں آیا۔'' میں نے کہا'' انشاء اللہ مولانا اعتراض ملنے کا بھی نہیں۔''

''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' سارے تصوف کی ابتداء ہے اور ''اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ'' سارے تصوف کا منتہا ہے۔ اسی کو نسبت کو کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں اسی حضوری کہتے ہیں۔

حضوری گرہمی خواہی، از و غافل مشو حافظ

مَتٰی مَاتَلْقَ مَنْ تَھْوِیْ دَعِ الدُّنْیَا وَاَمْھِلْھَا

میں نے کہا'' مولوی صاحب سارے پاپڑ اسی کے لیے پیلے جاتے ہیں۔ ذکر بالجہر بھی اسی واسطے ہے، مجاہدہ اور مراقبہ بھی اسی واسطے ہے اور جس کو اللہ جل شانہٗ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح یہ دولت عطاء کردے اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔

صحابہ کرم رضی اللہ عنہم اجمعین تو نبی کریم ﷺ کی نظر کیمیا اثر سے ایک ہی نظر میں سب کچھ ہو جاتے تھے اور ان کو کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اس کے اکابر اور حکماء امت نے قلبی امراض کی کثرت کی بنا پر مختلف علاج جیسا کہ اطباء بدنی امراض کے لیے تجویز کرتے ہیں، روحانی اطباء نے روحانی امراض کے لیے ہر زمانے کے مناسب اپنے تجربات جو اسلاف کے تجربات سے مستنبط تھے نسخے تجویز فرمائے ہیں جو بعضوں کو بہت جلد نفع پہنچاتے ہیں، بعضوں کو بہت دیر لگتی ہے۔''

پھر میں نے مرحوم کو متعدد قصے سنائے، جن میں سے ایک قصہ تو میں نے اپنے والد صاحبؒ سے سنا اور کئی مرتبہ سنا اور میں نے بھی حدیث کے اسباق میں اور دوستوں کی مجالس میں ہزاروں مرتبہ اس کا سنایا ہوگا وہ یہ کہ:

قصبہ پانی پت کا ضلع کرنال ہے، ان دونوں کے درمیان جمنا چلتی تھی، معلوم نہیں اب بھی ایسا ہے یا نہیں، جمنا کا ہر جگہ دستور یہ ہے کہ خشکی کے زمانے میں لوگ جوتے ہاتھ میں لے کر پار ہو جاتے ہیں، جہاں پانی زیادہ ہو وہاں کشتیاں کھڑی رہتی ہیں، ملاح دو چار پیسے لے کر ادھر سے ادھر پہنچا دیتے ہیں،

لیکن جب جمنا طغیانی پر ہوتا تو پھر عبور ناممکن ہوتا ہے۔

ایک شخص پانی پت کا رہنے والے، جس پر خون کا مقدمہ کرنال میں تھا اور جمنا میں طغیانی اور نہایت زور۔ وہ ایک ایک ملاح کی خوشامد درآمد کرتا رہا، مگر ہر شخص کا ایک جواب کہ اس میں تیرے ساتھ اپنے آپ کو ڈبوئیں گے۔ وہ بیچارہ غریب پریشان روتا پھر رہا تھا۔ ایک شخص نے اس کی بدحالی دیکھ کر کہا کہ اگر میرا نام نہ لے تو ترکیب بتاؤں، جمنا کے قریب فلاں جگہ ایک جھونپڑی پڑی ہوئی ہے اس میں ایک صاحب مجذوب قسم کے پڑے رہتے ہیں، ان کے جا کر سر ہو جا، خوشامد منت سماجت (خوشامد پر ایک قصہ کیمیاء کا یاد آ گیا، وہ باب ہشتم میں یاد رہا تو انشاء اللہ لکھواؤں گا) جو کچھ تجھ سے ہو سکے کسر نہ چھوڑنا اور جتنا بھی برا بھلا کہیں حتیٰ کہ اگر تجھے ماریں بھی تو منہ نہ موڑنا۔ چنانچہ یہ شخص ان کے پاس گیا اور ان سے خوشامد درآمد کی، انہوں نے اپنی عادت کے موافق خوب ملامت کی کہ میں کوئی خدا ہوں، میں کیا کر سکتا ہوں؟ مگر جب یہ روتا ہی رہا (اور رونا تو بڑے کام کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ مجھے بھی نصیب فرماوے) تو ان بزرگ نے کہا کہ ''جمنا سے کہہ دے کہ اس شخص نے جس نے عمر بھر کچھ کھایا نہ بیوی کے پاس گیا، اس نے بھیجا ہے کہ مجھے راستہ دے دے۔'' چنانچہ یہ گیا اور جمنا نے راستی دے دیا۔ اس کا تو کام ہو گیا۔

اس میں کوئی استبعاد نہیں، پہلے انبیاء کے معجزات اس امت کی کرامات ہیں اور پانی پر چلنے کے قصے تو صحابہ کے بھی تواریخ میں منقول ہیں اور کراماتِ صحابہؓ تو مستقل ایک رسالہ حضرت تھانویؒ کے حکم سے لکھا گیا تھا، جس میں علاء بن الحضرمی صحابیؓ کی ماتحتی میں ایک جہاد میں جو کسریٰ سے ہوا تھا۔ سمندر میں گھوڑے ڈال دینا اور سمندر کو پار کر دینا جس میں زینیں بھی نہ بھیگیں، نقل کیا گیا ہے۔ عاملِ کسریٰ یہ دیکھ کر ایک کشتی میں بیٹھ کر یہ کہہ بھاگ گیا کہ ان سے ہم نہیں لڑ سکتے۔ اس واقعے کو ابن عبدالبر اور تاج الدین سبکی نے بھی مختصراً ذکر کیا ہے۔

اس جھونپڑی میں ان بزرگ کے بیوی بچے بھی تھے۔ دینداروں کی بیویاں ڈیڑھ خصم ہوتی ہیں، یہ بیچارے اس فکر میں رہتے ہیں کہ کہیں زیادتی نہ ہو جائے۔ وہ اس سے غلط فائدہ اٹھا کر سر پر چڑھ جاتی ہیں، ان بزرگ کی بیوی نے رونا شروع کیا کہ ''عمر بھر کبھی کچھ کھایا نہیں، بغیر کھائے ہاتھی بن رہا ہے، اس کو تو تُو جانے تیرا خدا۔ مگر تُو نے جو یہ کہا کہ میں بیوی کے پاس کبھی نہیں گیا۔ یہ ستہ کی دھاڑ میں کہاں

سے لائی؟'' انہوں نے ہر چند سمجھایا کہ ''یہ میری ہی اولاد ہے، میں نے ان کی اولاد ہونے سے ہونے سے انکار نہیں کیا۔'' مگر اس نے رونا چلانا شروع کیا کہ ''تو نے میرا منہ کالا کر دیا، وہ ساری دنیا میں جا کر کہے گا کہ پیر صاحب تو بیوی کے پاس گئے نہیں، یہ اولاد کہاں سے آگئی؟'' ہر چند پیر صاحب نے سمجھانا چاہا مگر اس کی عقل میں نہیں آیا اور جتنا جتنا وہ کہتے وہ روتی۔ جب بہت دیر ہوگئی تو ان پیر صاحب نے یوں کہا کہ عمر خوب کھایا اللہ کا شکر ہے اور تیرے سے صحبت بھی ہمیشہ خوب کی، تجھے بھی معلوم ہے لیکن بات یہ ہے میں نے بچپن میں ایک مولانا سے وعظ میں بات سنی تھی۔ وہ یہ کہ جو کام اللہ کے واسطے کیا جائے وہ دنیا نہیں دین بن جاتا ہے اور عبادت بن جاتا ہے اور ثواب بن جاتا ہے، اس وقت سے میں نے جب بھی کوئی چیز کھائی یا تو اس نیت سے کھائی کہ اس سے اللہ کی عبادت پر قول حاصل ہو یا اس نیت سے کھائی کہ لانے والے اور کھلانے والے کا دل خوش ہو۔ اسی طرح سے شادی کے بعد سے تیرے پاس خوب گیا، لیکن یہ قصہ پہلے سے سنا ہوا تھا اس لیے جب بھی میں تیرے پاس گیا تیرا حق ادا کرنے کی نیت پہلے سے کر لی کہ اللہ نے بیوی کا حق رکھا ہے۔

میں نے یہ تو یہ قصہ اپنے والد صاحب سے بار بار ایسے ہی سنا۔ مگر مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں صاحب دام مجدہم نے حضرت الحاج شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی نقشبندی بھوپالی کے جو ملفوظات جمع کیے ہیں اس کے صفحہ ۳۵۶ پر یہ قصہ دوسری نوع سے نقل کیا ہے۔ جو حسب ذیل ہے:

حضرت شاہ صاحب نورہ اللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ ایک بزرگ دریا کے کنارے پر تھے، دوسرے بزرگ دوسرے کنارے پر۔ ایک بزرگ نے متاہل اور صاحب اولاد تھے، اپنی بیوی سے کہا کہ ''کھانے کا ایک خوان لگا کر دریا کے دوسرے کنارے پر جو دوسرے بزرگ رہتے ہیں انکے پاس لے جاؤ اور ان کو کھانا کھلا کر آؤ۔'' بیوی نے کہا دریا گہرا ہے، میں اس کو کس طرح پار کر کے دوسرے کنارے جاؤں گی؟'' فرمایا کہ ''جب دریا میں قدم رکھنا تو میرا ان لے کر کہنا کہ اگر میرے اور میرے شوہر کے درمیان وہ تعلق ہو جو زن و شوہر میں ہوا کرتا ہے تو مجھے ڈبو دے ورنہ میں پار ہو جاؤں۔'' اس نے یہی کہا۔ یہ کہنا تھا کہ دریا پایاب ہو گیا اور گھٹنوں گھٹنوں پانی وہ دریا کے پار ہو گئیں۔ انہوں نے کھانے کا خوان ان دوسرے بزرگ و پیش کیا انہوں نے اس کو اکیلے تناول فرمالیا (یعنی ختم کر دیا) جب واپس ہونے کا وقت ہوا تو ان کو فکر ہوئی کہ آنے کا وظیفہ تو مجھے معلوم ہو گیا، اب جاتے وقت کیا کہوں؟ ان بزرگ نے

ان کی پریشانی دیکھی تو ان سے دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ ''میں دریا کیسے پار کروں'' انہوں نے فرمایا کہ ''پہلی مرتبہ دریا کو کس طرح پار کیا تھا؟'' انہوں نے کہ ''میرے شوہر نے مجھے یہ ہدایات کی تھیں کہ میں اس طرح کہوں انہوں نے فرمایا کہ اب جائے تو میرا نام لے کر کہنا کہ ''اس نے ایک لقمہ بھی کھایا ہو تو میں ڈوب جاؤں ورنہ پار ہو جاؤں۔'' چنانچہ وہ پار ہو گئیں۔

اب انہوں نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ آپ نے صاحبِ اولاد ہو کر خلاف واقعہ بات کیوں کہی؟ اور ان بزرگ نے آنکھوں کے سامنے پورا کھانا تناول کرنے کے باوجود ایک لقمہ بھی کھانے سے انکار کیوں کیا؟'' تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ ''میں نے جو کچھ کیا امرِ الٰہی سے کیا اپنے نفس کی خواہش سے نہیں کیا اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ امرِ الٰہی سے کیا نفس کا اس میں کچھ حصہ نہ تھا اور دنیا جو کچھ کرتی ہے اور جس کا رواج ہے وہ نفس کے تقاضے کو پورا کرنا ہے امرِ الٰہی پیش نظر نہیں ہوتا، اس لیے دنیا جس کو ازدواجی تعلق اور شکم پُری اور نا ؤ نوش سمجھتی ہے، ہم دونوں میں سے کوئی اس کا مرتکب نہیں ہوا۔''

لیکن یہ ضرور نہیں کہ یہ واقعہ وہ پہلا ہو۔ اس قسم کے واقعات متعدد ہو سکتے ہیں۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس قسم کے واقعات پانی پر چلنا، دریا میں گھوڑوں کا اتار دینا مشہور ہیں۔ یہاں تک کہ پہنچا تھا کہ عصر کے بعد کی مجلس میں شاہ علم اللہ صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے حالات سنائے جا رہے تھے۔ اس میں ایک قصہ کان پڑا تھا۔ اس میں لکھا ہے کہ شاہ علم اللہ صاحب نے حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ فرمایا کہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک نہر حائل تھی، اس کے قریب پہنچتے ہی اچانک اس میں صاف راستہ بن گیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے یہ دیکھ کر فرمایا ''هٰذا مَكْرُ اللّٰهِ هٰذا مَكْرُ اللّٰهِ۔'' اس کے بعد انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ ''یہ نہر اسی حالت میں ہو جائے بندہ لوٹ جائے گا، یا کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لے گا لیکن تیری اس آزمائش سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔''

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جب سلطان العارفین کو کرامات سے اس درجہ خوف اور گریز تھا اور خدا کی شانِ بے نیاز سے وہ اس قدر ترساں ولرزاں رہتے تھے تو دوسرے کس شمار میں ہیں۔ طالب حق کو چاہیے کہ اللہ جل شانہٗ کے سامنے حضور در حضور کے سوا کسی اور چیز کے طلب گار نہ ہو ''كُلُّ مَا شَغَلَكَ عَنِ اللّٰهِ فَهُوَ صنمک'' جو چیز تمہیں اللہ سے مشغول کردے وہی تمہارا بت ہے۔

اس قصہ پر مجھے میرے حضرت، میرے محسن، میرے ماویٰ، میرے ملجا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ کا ایک عجیب واقعہ یاد آیا میرے جملہ اکابر کے یہاں تصرفات کی کوئی وقعت کبھی نہیں ہوئی، بلکہ ان کے روکنے کی کوشش ہوئی۔ میرے ایک مخلص دوست، جو عمر میں مجھ سے بہت بڑے مولوی حافظ عبدالرحمٰن صاحب گنگوہی میرے والد صاحبؒ کے بہت خاص شاگردوں میں سے تھے اور یہ بہت بڑی پارٹی تھی بیس پچیس لڑکوں کی جو عربی پڑھتے تھے، فارسی اور قرآن پڑھنے والے تو سو سے زائد تھے، یہ گنگوہ میں والد صاحب سے پڑھا کرتے تھے۔ جب ۲۸ھ میں میرے صاحب قدس سرہٗ مستقل قیام کے ارادے سے مظاہر میں آ گئے تو یہ سب خدام بھی آ گئے اور علوم کی تکمیل ان سب کی مظاہر میں ہوئی اور پھر علوم ظاہر یہ کی تکمیل کے بعد یہ سب میرے حضرت مرشدی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت بھی ہوئے۔ ان میں سے مولوی عبدالرحمٰن صاحب شملہ کے قریب کسولی ایک جگہ ہے وہاں کے امام ہو گئے اور بڑے اونچے اونچے حالات خطوط میں لکھا کرتے تھے اور چونکہ حضرت قدس سرہٗ کی ڈاک بھی میں ہی لکھتا تھا اس لیے دوستوں کے حالات بھی معلوم ہوتے رہتے تھے۔ مولوی عبدالرحمٰن مرحوم کا، اللہ تعالیٰ ان کو بہت بلند درجات عطا ماوے، ایک بہت ہی طویل عجیب خط لکھا جس میں اپنے بہت سے مکاشافات، تصرفات، خوارِق بہت ہی لمبے لکھے تھے اور میں حضرت قدس سرہٗ کو خط سنا رہا تھا اور باغ باغ ہو رہا تھا کہ لونڈا چوتھے آسمان پر پہنچ گیا، میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب خط کے جواب میں میرے حضرت قدس سرہٗ نے یہ لکھوایا کہ فرائض اور نوافل مسنونہ کے سوائے جملہ نوافل، جملہ اذکار و اوراد ایک قلم موقوف رکھیں۔'' میں بالکل حیرت میں رہ گیا کہ یہ کیا ہوا؟

اور بھی متعدد قصے، ہمارے اکابر کے اس قسم کے پیش آئے۔ میرے چچا جان مور اللہ مرقدہ قدس سرہٗ کے متعدد خطوط میں بھی جب خوارق اور تصرفات یا مکاشفات ہوتے تھے تو میرے حضرت بجائے حوصلہ افزائی کے اس قسم کے الفاظ لکھواتے تھے: ''ان چیزوں کی طرف التفات ہرگز نہ کریں کہ یہ ترقی سے مانع ہیں۔''

ہر نیکی صدقہ ہے بیوی سے صحبت بھی صدقہ ہے:

میں نے مولانا رئیس الاحرار صاحب سے یہ بھی کہا کہ بچپن میں اس قسم کے قصے، کہانیوں کے ذیل میں سنے جاتے تھے، یا والد صاحبؒ اسباق میں سناتے تھے کہ میرے والد صاحبؒ کا اساق میں قصے سنانے

کا معمول ہوگیا تھا، جس کا ایک واقعہ ان حالات میں فتح القدیر کے سلسلے میں بھی آوے گا لیکن جب مشکوٰۃ شریف پڑھانے کی نوبت آئی تو یہ مضمون حدیث پاک میں تشریح سے ملا۔ حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے جو مشکوٰۃ شریف کے باب صلوٰۃ الضحیٰ میں منقول ہے کہ آدمی میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، جب آدمی صبح کو صحیح وسالم تندرست اٹھتا ہے تو ہر جوڑ کی صحت وسلامتی کے بدلے اس کے ذمہ ایک صدقہ (شکرانہ) واجب ہوتا ہے ایک دفعہ ''سبحان اللہ'' کہنا ایک صدقہ ہے، ''الحمدللہ'' کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ'' کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، امر بالمعروف صدقہ ہے، راستہ میں سے کوئی تکلیف دہ چیز کانٹا وغیرہ ہٹا دینا صدقہ ہے، آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرے یہ بھی صدقہ ہے اور دو رکعت چاشت کی نماز ان سارے ۳۶۰ صدقوں کا قائم مقام ہے (اس لیے کہ نماز میں ہر جوڑ سے کام پڑتا ہے، اس لیے نماز کی دو رکعت سب کے قائم مقام ہو جاتی ہے) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آدمی اپنی بیوی سے شہوت پوری کرتا ہے، اس میں بھی صدقہ ہے؟ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ جل شانہٗ بہت ہی درجاتِ عالیہ اپنی اور ان کی شایانِ شان عطا فرماوے، حضور ﷺ سے ذرا ذرا سی بات پر دریافت کر کے امت کے لیے بہت کچھ ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اشکال پر یوں فرمایا کہ اگر اس پانی کو بے محل رکھے یعنی حرام کاری کرے تو کیا گناہ نہیں ہوگا؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا، ضرور ہوگا، تو حضور ﷺ نے فرمایا پھر یعنی اگر حرام سے بچنے کی نیت سے اپنی بیوی سے صحبت کرے تو کیوں ثواب نہ ہو۔''

اس کی تائید بہت سی روایات اور مضامین سے بھی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کا لطف واحسان اور اس کے پاک رسول ﷺ کی برکتیں تو لَا تُعَدُّ وَلَا تُحصٰی ہیں مگر ہم لوگ اپنی ناقدری سے ان قیمتی جواہرات موتیوں کو پاؤں سے روندتے ہیں، ان کی طرف التفات نہ کریں تو اپنا ہی نقصان ہے:

خدا کے دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

اخلاص سے آگ لینے جانے میں بھی پیمبری مل جاتی ہے۔ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا ایک مشہور مقولہ جو سینکڑوں دفعہ سنا ہوگا کہ ''اتباع سنت کے ساتھ اتباع کی نیت سے بیت الخلاء میں جانا

خلافِ سنت نفلیں پڑھنے سے زیادہ افضل ہے۔'' یہی وہ چیز ہے جس سے میں نے اس مضمون کی ابتداء کی تھی۔

تنبیہ
صاحبزادوں کی تربیت کے لیے درخواست:

مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کے متعلق میں نے جو اپنی ابتدائی لڑئی لکھی اور بہت سخت تھی، بڑی ناشکری ہوگی اگر اس کا تکملہ اور منتہانہ لکھوں آخر میں تو مرحوم کو حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی برکت سے اتنی محبت ہوگئی تھی جس کی طرف میں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں کہ مولانا مرحوم مستقل میرے پاس قیام پر اصرار فرماتے رہے۔ مولانا نے ازراہِ محبت یہ بھی اصرار کیا کہ وہ اپنے چھوٹے لڑکوں کو میری تربیت میں رکھیں، میں نے باوجود ان کی شفقت ومحبت وصرار کے معذرت کر دی۔ انہوں نے حضرت اقدس سیدی ومولائی شاہ عبدالقادر صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے اصرار بہت زور سے کرایا تو میں نے حضرت سے کہا کہ یہ رئیس الاحرار کے صاحبزادے ہیں، میرا ان کا جوڑ نہیں کھانے کا۔ مولانا مرحوم نے کہا کہ تیری ساری شرائط منظور ہوں گی اور حضرتؒ اس کے ضامن ہوں گے، تو قرعۂ فال عزیز گرامی قدر ومنزلت مولوی رئیس الرحمٰن ناظم مدرسہ والی مسجد خالصہ کالج لائلپور (فیصل آباد) کے نام نکلا کہ ان کی تعلیم اس وقت ایسی تھی کہ میرے پاس جوڑ کھا سکتی تھی، میں نے چار شرائط لگائیں۔

(۱)......اخبار دیکھنے کی بالکل اجازت نہیں ہوگی۔ اگر کوئی شکایت کسی وقت اخبار دیکھنے کی مجھ تک پہنچی تو سلام علیک۔

(۲)......کسی جلسے میں جانے کی اجازت نہ ہوگی، چاہے ابا جان کی تقریر ہو چاہے شاہ بخاری کی، چاہے حضرت مدنی قدس سرہٗ کی، چاہے اس تقریر میں میں خود بھی شریک ہوں، چاہے میں کسی لحاظ ملاحظہ سے اجازت بھی دے دوں۔

مولانا مرحوم نے ان دونوں شرائط کو بہت ہی بشاشت سے قبول فرمایا اور فرمایا کہ میری اور شاہ جی کی تقریر میں جانے کی ہرگز اجازت نہیں، سیاست ہمارے گھر کی لونڈیاں ہے، ہم اس سے نمٹنے کے بعد سیاست دو مہینے میں سکھلا دیں گے۔

(۳)......تیسری شرط یہ رکھی کہ مدرسہ سے بغیر اجازت باہر نکلنا نہ ہوگا۔

(۴)...... چوتھی شرط یہ کہ طلبہ سے تعلقات نہ رکھنے ہوں گے نہ دوستی کے، نہ دشمنی کے، نہ محبت کے، نہ مخالفت کے۔

عزیز موصوف کو اللہ بہت ہی جزائے خیر دے، میں ہمیشہ اس کی اس ادا کا ممنون رہوں گا کہ پہلی دو شرطوں پر تو اس نے میری امید سے بہت زیادہ عمل کر کے دکھلا دیا، حتیٰ کہ ایک دو سال بعد جب میں نے مضرت نہ سمجھ کر اکابرِ ثلاثہ مذکور کی تقریر میں جانے کی اجازت بھی دی اور دل سے دی اخلاص سے دی تب بھی عزیز موصوف نے کہہ دیا کہ اب تو وعدہ پورا کرنا ہی ہے۔

اسی کا وہ ثمرہ تھا کہ حضرت اقدس سیدی ومولائی حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی نگاہ میں بھی عزیز موصوف منظور نگاہ بن گیا اور حضرت قدس سرہٗ کی طرف سے خلاف بیعت عطا ہوئی۔ اللہ جل شانہٗ اپنے فضل وکرم سے عزیز موصوف کو نیز عبدالجلیل کو بھی دونوں ایک ہی سال کے مظاہر کے فارغ التحصیل ہیں، یعنی ۶۰ھ کے اور دونوں کو ہی حضرت قدس سرہٗ کی طرف سے خلافت عطا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ دونوں سے اپنی مخلوق کی ہدایت کا کام لے۔

البتہ تیسری چوتھی شرط پر وہ پختگی نہ دکھا سکا جو پہلی دو شرطوں پر دکھلائی اگر میں یہ کہوں کہ اس میں میری ہی کمزوری کو دخل تھا تو بے محل نہ ہوگا۔

مولوی انیس الرحمٰن ومولوی عبدالجلیل صاحبان کا ذکرِ جمیل:

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے اصرار میں کچھ عزیز عبدالجلیل کو بھی دخل تھا جو حضرت قدس سرہٗ کا بھتیجا میرے ہی پاس رہتا تھا، مدرسہ میں پڑھتا تھا، بہت ہی یکسو قابل رشک زندگی گزارتا تھا، اس کی ادا اس وقت کی مجھے بہت ہی پسند تھی کہ جب حضرت اقدس نورہ اللہ مرقدہٗ کی آمد پر حضرت کا قیام یا دعوت کسی جگہ ہوتی تو یہ کبھی کھانا کھائے بغیر حضرت رحمہ تعالیٰ کی مجلس میں نہیں جاتا تھا، میرے یہاں سے کھانے سے نمٹ کر جاتا تھا اور لوگوں کے اصرار پر بھی شدت سے انکار کر دیتا تھا کہ ''میں کھا کر آیا ہوں۔'' حضرتؒ بھی فرماتے اور میں تقاضے کرتا مگر یہ ہمیشہ ہی عذر کرتا کہ میں کھا کر آیا اور عذر جھوٹا نہیں ہوتا تھا قبل از وقت بھی گھر سے کھانا لے کر وہ کھا کر جاتا، بلکہ بعض دفعہ تو پہلے سے دعوت کرنے والوں کو بھی یہ کہہ کر عذر کر دیتا تھا کہ اس آنے میں سبق کا حرج ہوگا یا مطالعہ کا حرج ہوگا۔

☆......☆......☆

مقدمہ فقہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتاب فقہ عمرؓ کا مقدمہ تبرکاً پیش خدمت ہے

خطبہ

تمام حمد، اللہ وحدہ لاشریک کے شایاں ہے درود وسلام اس کے فرستادہ نبی ﷺ پر واجب۔ جس کی تشریف آوری کے بعد کسی قسم کا نبی مبعوث نہ ہوگا۔

بعد ازیں بندۂ ناچیز رحمت خداوندی کا محتاج ولی اللہ بن عبدالرحیم امیدوار مغفرت عرض گزار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ خیال پیدا فرمادیا کہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے اجتہادات پر ایک رسالہ مرتب کروں۔

مقدمہ

امیر المؤمنین جناب عمر فاروقؓ حضرت محمد ﷺ کے خلیفۂ برحق ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے (وحی خفی) کے ذریعہ سیدنا حضرت عمرؓ کو ''حق گو'' اور ''مصیب'' کی بشارت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت عمرؓ کا رجوع الی اللہ کسی دلیل کا محتاج نہیں۔

حضرت عمرؓ اجتہادات میں مصیب ہیں

حضرت عمرؓ کی اجتہادات میں اصابت (مصیب ہونا) اس حد تک کمال ہے کہ ائمہ اربعہ کی پوری فقہ آپ ہی کے متونِ اجتہاد کی شرح ہے۔ امیر المؤمنین فاروقِ اعظمؓ اس مقام میں ''مجتہد مطلق'' کے درجہ پر فائز ہیں۔

حضرت عمرؓ مجتہد علی الاطلاق ہیں

ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) رحمہم اللہ تعالیٰ ایسے مجتہد منتسب ہیں، جو درجۂ اجتہادات میں مجتہد مطلق ہونے کی بجائے حضرت عمرؓ کے فیضان سے بہرہ مند ہیں۔

شریعت کے دلائل اربعہ

جو حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک حجت ہیں

1۔ کتاب اللہ

2۔ سنت رسول اللہ ﷺ

3۔ اجماع

4۔ قیاس

قاضی شُریح کے نام تحریری فرمان

(1) بروایت سنن دارمی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے مقرر کردہ قاضی شریح (بن حارث الکوفی النخعی) کی طرف اپنے ایک فرمان میں لکھا کہ اے شریح! (1) فصل مقدمات میں کتاب اللہ کو مقدم رکھیے اور اس مقابلہ میں کسی اور طرف التفات نہ کیجیے۔ (2) کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ ﷺ سے پیش آمدہ مقدمے کا فیصلہ مل سکے تو اس کے ہوتے ہوئے ادھر ادھر نہ نگاہ کیجیے۔ (3) قرآن وحدیث دونوں اگر کسی معاملے میں رہبری نہ فرما سکیں تو زیر تفتیش معاملے پر اکابر اہل علم کے متفقہ اجماع کے مطابق حکم دیجیے اور (4) اگر کتاب وسنت اور اجماع اکابر سب کے سب پیش آمدہ قضیہ میں خاموش ہیں، تو مندرجہ ذیل تین صورتوں میں سے کسی ایک پر کاربند رہیے۔

(الف) صرف اپنے اجتہاد سے رہبری حاصل کیجیے بشرطیکہ اس مسئلہ میں آپ سے کسی اور نے پیش آمدہ مسئلہ میں کچھ نہ کہا ہو (ورنہ اپنے سے کسی قبل کے صاحب اجتہاد کے فتویٰ پر عمل کیجیے)

(ب) اپنے سے بہتر اہل علم کو اپنا ہادی سمجھئے۔ بشرطیکہ ان لوگوں کے پیش نظر بھی ایسے حضرات کا اجتہاد ہو، جو آنحضرت ﷺ کے رفقاء واصحاب سے براہِ راست فیضان میں کامیاب ہوئے۔

(ج) مذکورہ صدر اصحاب کے بعد وہ حضرات بہتر ہیں جو آپ کے معاصر ہیں، ان دونوں قسموں میں جو اصحاب آپ کے نزدیک زیادہ قابل اعتماد ہوں، ان کی ترجیح کا مدار آپ کی رائے پر ہے۔

اے شریح! اگر آپ نے اس طرح مقدمات کا فیصلہ کیا تو آپ کے حق میں بہتر ہوگا۔

سنت نبویؐ سے عموم قرآنی کی تخصیص اور مجمل آیات کی تفسیر

(2) بروایت سنن دارمی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ''(اے لوگو!) وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ بعض

لوگ قرآن کی آیاتِ متشابہات میں خلط مبحث کر کے تمہیں خلجان میں ڈالیں گے، تمہیں چاہیے کہ ایسے مواقع پر قرآن کی وضاحت اور تفسیر سنت کی مدد سے کرو۔ اور یاد رکھو کہ کتاب اللہ کی تفسیر کرنے والوں میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو سنتِ رسول اللہ ﷺ سے آگاہ ہیں۔''

کیسے راوی کی حدیث قابل قبول ہے؟

(3) بروایت صحیح مسلم۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص تحقیق کے بغیر کسی سنی ہوئی بات کو دوسروں سے بیان کر دے، اس کے کاذب ہونے میں کوئی کلام نہیں۔''

(4) بروایت بیہقی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے ''امیر المؤمنین نے ہمیں تاکید فرمائی کہ ہم ثقہ راوی کے بغیر کسی کی روایت قبول نہ کریں۔''

خبر آحاد جو صدوق سے منقول ہو، اگرچہ خلاف قیاس ہو

امام شافعیؒ نے اس باب میں چند واقعات قلمبند فرمائے ہیں۔ ازاں جملہ یہ ہے۔

ہاتھ کی انگلیوں میں تفاضل پر دیت کا مدار

(5) بروایت امام شافعیؒ۔ حضرت عمرؓ نے فتویٰ دیا کہ ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کی دیت ان کی منفعت اور حسن وخوبی کے مطابق دلوائی جائے۔ (مثلاً ان میں چھنگلی نفع اور خوبصورتی وقوت میں باقی انگشت ہائے اربعہ سے کم درجہ پر ہے اور انگشت سبابہ قوت وخوبصورتی میں تمام انگلیوں میں فائق ہے، لہٰذا چھنگلی کی دیت بقیہ چار سے کم اور سبابہ کی دیت ہر چہار سے زیادہ) یہ تھا حضرت عمرؓ کا ابتدائی فتویٰ۔ لیکن جب امیر المؤمنین کو حضرت عمرو بن حزم کی یہ روایت ملی، جو خبر آحاد (خبر واحد) تھی کہ:

''آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاتھ کی پانچوں انگلیوں میں سے ہر ایک انگشت کی دیت دس دس شتر ہیں۔''

تو امیر المؤمنین نے اس روایت کے خبر آحاد ہونے کے باوجود اپنے قیاس (اجتہاد) سے رجوع فرمالیا (اور اس کے بعد ہر انگشت کی دیت مساوی مقرر فرمائی)۔

قبولِ خبر واحد کی دوسری مثال

مقتول کے وارثوں میں اس کی دیت کے مستحق کون کون اشخاص ہیں؟

(6) بروایت امام شافعیؒ حضرت عمرؓ کا ایک اجتہاد یہ ہے کہ مقتول اگر مرد ہو تو اس کی دیت میں اس

کی زوجہ کو ترکہ نہ دیا جائے، لیکن جس وقت آپ کو ضحاک بن سفیان کی یہ حدیث معلوم ہوئی کہ "آنحضرت ﷺ نے ضحاک کی طرف تحریری مسئلہ لکھ کر بھجوایا کہ شیم ضبائی کی دیت میں سے اس کی زوجہ کو بھی ترکہ دیا جائے۔"

اور ضحاک کی اس روایت کے خبر آحاد ہونے کے باوجود امیر المؤمنین نے اپنے سابقہ قیاس سے رجوع فرمالیا۔

قبولِ خبر واحد کی تیسری مثال

دیت جنین

(صورت مسئلہ یہ ہے کہ بچہ رحم مادر میں ہے جو کسی کے حملہ کرنے یا اس کی ضرب سے ساقط ہو گیا، یا زن حاملہ کو قتل کر دیا گیا، جس سے جنین بھی مر گیا، ایسے بچے کی دیت کا معاملہ)

(7) ایضاً بروایت امام شافعیؒ۔ شروع میں حضرت عمرؓ دیت جنین کے قائل نہ تھے، لیکن جب آپ کو حضرت حمل بن مالکؓ کی روایت ملی، تو آپ نے اپنے سابق فتویٰ سے رجوع کرتے ہوئے فرمایا: "ہم اس حدیث پر مطلع نہ ہوتے تو ہمارا فتویٰ خلافِ حدیث ہی رہتا۔"

حالانکہ یہ روایت خبر آحاد تھی۔

قبولِ خبر واحد کی چوتھی مثال

وبا زدہ علاقہ میں استقرار وقیام کا مسئلہ

(صورت مسئلہ یہ ہے کسی بستی میں مثلاً وبا ہیضہ پھوٹ نکلی، اب اس میں استقرار وقیام ضروری ہے یا اس بستی سے نکل کر باہر جا سکتے ہیں؟ اور اگر آبادی سے باہر سکونت کے لیے نکل سکتے ہیں تو صرف بستی کے سوانے ہی تک یا کسی اور بستی میں منتقل ہو سکتے ہیں؟)

(8) امام شافعیؒ اعتراضاً فرماتے ہیں اور جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے ارض وبا (وبا زدہ سرزمین) میں (نہ جانے) کے متعلق حدیث عبدالرحمٰن بن عوف پر عمل فرمایا، حالانکہ یہ خبر احاد ہے

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں، امام شافعیؒ نے مذکورۂ صدر واقعات ودلائل قلمبند فرمانے کے بعد ان معترضین کو تذکرہ فرمایا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ باوجود ان واقعات کے حضرت عمرؓ "خبر آحاد" کو علی الاطلاق حجت نہ سمجھتے تھے۔

امام شافعیؒ ان لوگوں کے جواب میں فرماتے ہیں، اگر کسی موقع پر حضرت عمرؓ نے خبر آحاد کی تصدیق

طلب فرمائی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس روایت کا راوی اپنی قلت ثقاہت اور ضعف حافظہ کی وجہ سے پوری طرح قابل اعتماد نہ تھا۔

اور کسی موقع پر امیر المومنین نے خبر آحاد کی توثیق اس لیے طلب فرمائی کہ بیان کردہ مسئلہ حدیث میں قدرے گنجلک رہ گئی تھی، لیکن حضرت عمرؓ کا کسی موقع پر بھی اس طرح توثیق طلب کرنے کا یہ مطلب نہ تھا کہ وہ سرے سے "خبر آحاد" کی حجیت میں متردد تھے، اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک ہی واقعہ میں ایک سے زائد شہادتوں سے نفس الامر کی تقویت ہو کر شبہ کی گنجائش زائل ہو جاتی ہے، جیسا کہ حضرت ابو موسی اشعریؓ کا واقعہ ہے۔

اجماع

(9) بروایت امام شافعیؒ۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے (مقام) جابیہ پر جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں (اجماع امت پر) یہ حدیث پڑھی:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سرہ بحجۃ الجنۃ فلیلزم الجماعۃ

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی کو جنت کے وسط میں رہنا پسند ہو، اسے جماعت کے ساتھ ملک کر رہنا چاہیے۔"

اور حضرت عمرؓ نے اس حدیث سے "اجماع" پر استدلال فرمایا۔

شرطِ قیاس

(10) بروایت دارقطنی: امیر المومنین فاروق اعظمؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (عامل بصرہ) کی طرف یہ تحریر فرمان بھیجا:

"اے ابو موسیٰ جس معاملے کی تحقیق مدنظر ہو، اولاً اسے کتاب اللہ میں دیکھئے۔ اگر اس میں نہ ملے تو سنت رسول اللہ ﷺ میں تلاش کیجیے۔ اس میں بھی نہ ملے تو اس واقعہ کے ہم شکل واقعات کو دریافت کیجیے۔ پھر ان پر قیاس کر کے جو چیز آپ کے نزدیک عند اللہ زیادہ قریب اور مشابہ ہو، اس پر اعتماد کیجیے۔

جس معاملہ میں وحی نازل نہ ہوئی، اس کی کرید مکروہ ہے

(11) بروایت سنن دارمی۔ امیر المومنین سے کسی شخص نے ایسے مسئلہ کا جواب معلوم کرنا چاہا، جو دراصل سائل کو درپیش نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے فرمایا "ضرورت پیش آنے سے قبل فرضی طور پر سوال ذہن

میں قائم نہ کرو اور نہ اس کو جواب تلاش کرو" بلکہ ایسے شخص پر حضرت عمرؓ نے لعنت کی۔

(12) بروایت دارمی۔ حتیٰ کہ امیر المومنین نے برسر ممبر یہ اعلان فرمایا کہ" میں ہر ایسے شخص کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں، ان امور کے متعلق سوالات قائم کرے، جن کا ابھی وقوع نہیں ہوا۔ کیونکہ جو کچھ ہونے والا ہے، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ذکر فرما دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس امر کا متکفل ہو چکا ہے کہ ہر ایک نئے امر کے ظہور پر اس معاملے کی صوابدید کے مطابق ان میں سے کسی نہ کسی مسلمان کو الہام کے ذریعہ مطلع فرما دے۔" (یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے، مگر حکماً مرفوع ہے)

(13) جیسا کہ سنن دارمی کی روایت ہے:

ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال لا تعجلوا بالبلیلة قبل نزولها فانکم ان لا تعجلوا قبل نزولها لا ینفک المسلمون وفیهم اذهی نزلت من اذ قال وفق وسدد، وانکم ان تعجلوا تختلف بکم الاهواء فتاخذوا هکذا وهکذا واشاربین یدیه وعن یمینه وعن شماله.

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وقت آنے سے قبل مسائل کی کرید مت کرو۔ اگر تم اس سلیقے کے ساتھ رہو گے تو مسلمانوں میں کوئی نہ کوئی شخص ایسا نکل آئے گا، کہ وہ وقت پڑنے پر غیب سے مدد حاصل کر سکے (یعنی اپنے اجتہاد و قیاس میں بصورتِ اصابت) اور اگر تم عجلت کرو گے، تو تمہاری رائیں ایک دوسرے سے مختلف ہو جائیں گی اور تم ادھر ادھر بکھر جاؤ گے۔ آپ نے یہ بات دائیں بائیں اشارہ کر کے فرمائی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو جن مسائل کی ضرورت پیش آنے والی ہے، قرآن نے وہ تمام مسائل بیان کر دیئے ہیں۔ دوسرا مفہوم یہ متبادر ہو سکتا ہے کہ کتاب و سنت اجمالاً تمام احکام پر مشتمل ہیں جیسا کہ امام شافعیؒ نے اپنے کلام میں یہ اشارہ فرمایا ہے۔

(14) بروایت دارمی۔ ابن محیرز فرماتے ہیں، ہم لوگوں نے کبھی فرضی مسائل پر گفتگو نہیں کی، کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ جب تک قرآن کی مزاولت رہے گی، علم کا ارتفاع نہ ہو گا۔

علم میں مجادلہ

(15) بروایت دارمی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ علم میں بے بنیاد قیاس کے مطابق گفتگو مت کرو۔ (یعنی جب کتاب و سنت سے دلیل نہ ملے تو قیاس شروعی کے بغیر زبان نہ کھولو)

مناقب اہل بیت

حضور علیہ السلام کی حضرت حسینؓ سے محبت

حضرت یعلی بن مرہؓ فرماتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ کچھ صحابہ کرامؓ اور حضور اقدس ﷺ ایک دعوت میں کھانا تناول فرمانے جارہے تھے اس دوران حضرت حسینؓ ایک گلی میں کھیل رہے، حضور اقدس ﷺ انہیں دیکھ کر لوگوں سے آگے بڑھ گئے اور اپنی بانہوں کو پھیلالیا، حضرت حسینؓ (بچپن کی مستی میں آکر) ادھر اُدھر بھاگنے لگے اور حضور اقدس ﷺ انہیں ہنسانے اور بہلانے لگے اور بالآخر انہیں پکڑلیا، پھر اپنا ایک دست مبارک حضرت حسینؓ کی ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور دوسرا ہاتھ ان کے سر پر رکھا اور پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت حسینؓ کا بوسہ لیا اور فرمایا ''حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں جو اس سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کرے۔''

(رواہ ابن ماجہ، ص:۱۴ مختصر، کنزالعمال، ج:۷، ص:۱۰۷)

فاروق اعظمؓ کی حضرت حسینؓ سے محبت

حضرت حسین بن علیؓ فرماتے ہیں کہ ''منبر پر چڑھ کر حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس گیا اور میں نے ان سے کہا ''میرے نانا ابا کے منبر سے آپ نیچے اُتر آئیں اور اپنے والد کے منبر پر تشریف لے جائیں'' حضرت عمرؓ نے کہا ''میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں'' یہ کہہ کر حضرت عمرؓ نے مجھے اپنے ساتھ بٹھالیا، پھر وہ منبر سے اُتر کر مجھے اپنے گھر لے گئے اور مجھ سے فرمایا ''اے میرے بیٹے! تمہیں یہ کس نے سکھایا ہے؟'' میں نے کہا ''کسی نے نہیں'' انہوں نے فرمایا ''اگر تم ہمارے پاس آیا جایا کرو تو بہت اچھا ہوگا'' چنانچہ میں ایک دن ان کے ہاں گیا تو وہ حضرت معاویہؓ سے تنہائی میں بات کر رہے تھے اور میں نے دیکھا کہ حضرت ابن عمرؓ دروازے پر کھڑے ہیں، انہیں بھی اجازت نہیں ملی ہے، یہ دیکھ کر میں واپس چلا گیا اس کے بعد جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے فرمایا ''اے بیٹے! تم ہمارے پاس آتے کیوں نہیں؟'' میں نے کہا ''میں ایک دن آیا تھا آپ حضرت معاویہؓ سے تنہائی میں بات کر رہے تھے اور آپ کے بیٹے حضرت ابن عمرؓ کو بھی اجازت نہیں ملی تھی تو میں نے دیکھا کہ وہ واپس چلے گئے،

اس لیے میں بھی واپس آ گیا" حضرت عمرؓ نے فرمایا، "نہیں! تم عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ اجازت ملنے کے حق دار ہو کیونکہ ہمارے سروں پر جو تاجِ شرافت آج نظر آ رہا ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھرانہ کی برکت سے دیا ہے" اور پھر میرے سر پر حضرت عمرؓ نے شفقتاً ہاتھ رکھا"۔

فراستِ حسینؓ

ایک مرتبہ کسی شاعر نے حضرت حسینؓ کی تعریف کی تو اس کے صلے میں حضرت حسینؓ نے اسے بہت سا مال عطا فرمایا۔ اس عمل پر کسی نے حضرت حسینؓ کو ملامت کی کہ آپ نے اسے اتنا بہت سا مال عطا کر دیا؟ اس ملامت کے جواب میں حضرت حسینؓ نے اسے سمجھایا کہ "مجھے اس بات کا خوف تھا کہ کہیں وہ یہ نہ کہہ دے کہ تم فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ اور علی بن ابی طالبؓ کے بیٹے نہیں ہو، پھر لوگ اس کے اس قول کی تصدیق کرتے اور اسے نقل کرتے پھر یہ بات ہمیشہ کتابوں میں محفوظ رہتی اور بیان کرنے والوں کی زبانوں پر رائج رہتی" حضرت حسینؓ کا حکمت بھرا یہ جواب سن کر ملامت کرنے والا شخص معذرت خواہانہ لہجہ میں گویا ہوا "اے اللہ کے رسول کے بیٹے! خدا کی قسم آپ مدح و ذم کی حقیقت کو مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں"۔

(الحسنؓ والحسینؓ، ص: ۲۰)

کرامتِ حسینؓ

حضرت ابوعون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب حضرت حسین بن علیؓ مکہ کے ارادے سے مدینہ روانہ ہوئے تو جب وہ ابن مطیع کے پاس سے گزرے جو اپنا کنواں کھود رہے تھے ابن مطیع نے حضرت حسینؓ سے عرض کیا "میں اپنے اس کنویں کو اس لیے ٹھیک کیا ہے تاکہ اس میں دوبارہ پانی آ جائے لیکن ابھی تک ڈول خالی ہی نکلا ہے، اس میں کچھ پانی نہیں اگر آپ ہمارے لیے اس کنویں میں اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کر دیں تو آپ کی بہت مہربانی ہوگی" حضرت حسینؓ نے فرمایا، "کنویں کا تھوڑا سا پانی لاؤ" ابن مطیع ڈول میں اس کنویں کا تھوڑا سا پانی لائے، حضرت حسینؓ نے اس میں سے کچھ پانی پیا پھر کلی کی پھر وہ پانی اسی کنویں میں ڈال دیا تو اس کنویں کا پانی ڈال دیا تو اس کنویں کا پانی میٹھا بھی ہو گیا اور زیادہ بھی ہو گیا"۔

(اخرجہ ابن سعد، ج: ۵، ص: ۱۴۴ کذا فی حیاۃ الصحابۃ، ج: ۳، ص ۶۷۹)

خواتین کے صفحات

خادمۃ القرآن

خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے کی ترغیب

عبداللہ بن عمرؓ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا: ”اے عورتوں کی جماعت! صدقہ دیا کرو اور کثرت سے استغفار کیا کرو کیونکہ میں نے جہنم والوں میں اکثریت عورتوں کی دیکھی ہے۔“ جزلہ نامی ایک خاتون نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! ہم کس وجہ سے کثرت کے ساتھ جہنم میں جائیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم کثرت سے لعن طعن کرتی ہو، خاوند کی ناشکری کرتی ہو اور میں نے تم سے زیادہ ناقص العقل اور دین کے اعتبار سے کسی کو نہیں دیکھا جو عقل مند آدمی کی عقل پر غالب آجائے۔“ جزلہؓ نے عرض کیا: ہماری عقل اور دین کا نقص کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ”عقل کا نقص تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے اور دین کا نقصان یہ ہے کہ عورت کچھ راتیں (اور دن) ایسے گزارتی ہے کہ ان میں روزہ نہیں رکھ سکتی۔“

خاوندوں کے گھروں کی حفاظت کرنے کی ترغیب

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی نگرانی کے بارے میں سوال کیا جائے گا، بادشاہ نگہبان ہے اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا، آدمی اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اور اس سے ان کی دیکھ بھال کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی حفاظت کا سوال کیا جائے گا، خادم اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی حفاظت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔“ راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ”آدمی اپنے باپ کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی حفاظت کا سوال ہوگا اور تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس سے اس کی نگرانی کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔“

غیر محرم حضرات سے ملاقات کی ممانعت

عقبہ بن عامرؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: ''تم عورتوں سے ملاقات کرنے سے پرہیز کرو۔'' ایک انصاری صحابی نے عرض کیا: ''یارسول اللہؐ! خاوند کے قریبی رشتہ دار (جیسے دیور، چچا کا بیٹا، بھتیجا وغیرہ) کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ''خاوند کا قریبی رشتہ دار تو موت ہے۔''

اللہ کی تنبیہ اور عذاب قبر کا حالیہ واقعہ:

احمد آباد کے محلے جماپور کے متمول مسلمان گھرانے میں عجیب واقعے سے احمد آباد لرز گیا۔

احمد آباد جیسے صنعتی شہر میں جسے ''ہندوستان کا مانچسٹر'' کہا جاتا ہے، جہاں پر مسلم ہنر مند کاریگروں کی بہت بڑی آبادی ہے، جہاں تاریخ نے کئی انمٹ اور ناقابل فراموش نقوش چھوڑے ہیں۔ اسی احمد آباد شہر کے محلے جمال پورہ کے ایک مسلم خاندان میں ایک عجیب وغریب اور عبرتناک واقعہ رونما ہوا۔

بتایا جاتا ہے کہ مسلم خاندان کی ایک کنواری، غیر شادی شدہ نوجوان لڑکی، جس کے فیشن کا بڑا چرچا تھا، مالدار گھرانے کی یہ لڑکی صبح اٹھ کر بناؤ سنگھار کرتی، نت نئی تراش، وضع، فیشن اور ڈیزائن کے لباس زیب تن کرتی تھی۔ ایک روز اچانک مختصر سی علالت کے بعد چل بسی اور شہر کے قبرستان میں اسے دفن کر دیا گیا۔

مبینہ طور پر اسکے بعد ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔ اس کی ماں کو مسلسل تین رات تک یہ آواز سنائی دیتی رہی اور خواب میں لگاتار تین رات تک اپنی جوان لڑکی کی لاش دکھائی دیتی رہی جو کہہ رہی تھی ''امی مجھے قبر سے نکالو........ میں زندہ ہوں''۔

اس کی ماں کا بیان ہے کہ میں اس واقعے سے گھبراہٹ محسوس کر رہی تھی۔ مجھے خوف اور اضمحلال لاحق ہو گیا تھا۔ ممتا کے آنسوؤں نے لڑکی کے باپ اور بھائی اور محلے داروں کو آگاہ کیا اور چوتھے روز دو پولیس والوں کی موجودگی میں قبر کھودی گئی۔ لڑکی زندہ تھی، لیکن اس عبرتناک حالت میں کہ اس کے بال پر دو کالے ناگ، چہرے پر چھپکلی اور ناخنوں پر جہاں جہاں لالی لگائی تھی وہاں بچھو چپکے ہوئے تھے۔ عصر کے تمام موذی جانور لاش سے ہٹ گئے۔

پولیس بے ہوش لڑکی کو قبر سے نکال کر واڑی چیری ہسپتال احمد آباد کے I.C. وارڈ لے گئی

جہاں اس کا علاج ہو رہا ہے۔لڑکی کا ہونٹ غائب ہو گیا ہے ہوش میں آنے کے بعد کہا جاتا ہے اس نے بتایا کہ میں صرف ۱۵ دن کے لیے دوبارہ آئی ہوں ۔تم لوگ نماز پڑھو، روزہ رکھو۔لوگوں کو صرف اتنا سنائی دیا اور اتنا ہی سمجھ میں، اس کے بعد اس سے زیادہ کچھ بھی سنائی دیا۔ بتایا جاتا ہے کہ تقریباً ۱۲ دنوں سے اس عجیب وغریب زندہ ہونے والی فیشن کی دلدادہ لڑکی کو لوگوں نے اپنی آنکھوں سے ہسپتال جاکر دیکھا ہے۔لوگوں میں چرچا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک تنبیہ ہے کہ غفلت اور اغیار کی نقالی سے بچ کر سادہ اور مذہب کے اصول کے مطابق چلیں ۔ خاص طور پر عورتوں کو اس سلسلے میں عبرت حاصل ہو۔

توہین خاصان خدا کا ارادہ رکھنے والوں کی خدائی توہین:

کچھ روافض نے ایک بزرگ کا مذاق بنانا چاہا۔فرضی طور پر ایک شخص کو مردہ بنایا اور چارپائی پر لٹا کر ان بزرگ کے پاس لے گئے اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں ۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ جب وہ نماز پڑھائیں گے تو دو تین تکبیر ہو جانے کے بعد وہ شخص جس کو میت بنایا گیا تھا ان بزرگ کو لپٹ جائے۔

ان بزرگ نے کہا کہ ''اس کو غسل تو دلا دو تب نماز پڑھیں گے''۔

انہوں نے کہا کہ ''غسل دے رکھا ہے''۔

فرمایا کہ وہ غسل معتبر نہیں، پھر غسل دو۔''

اس پر وہ اس کو وہاں سے اٹھا کر لے آئے۔ دیکھا تو وہ مرا پڑا ہے۔اسی لیے ان بزرگ نے غسل کے لیے فرمایا تھا کہ زندگی کا غسل معتبر نہیں، مرنے کے بعد غسل دینا چاہیے۔

ان لوگوں نے ان بزرگ کو ستانا چاہا۔حق تعالیٰ شانہ نے اس کا انتقام لے لیا۔اہل اللہ کو ستانے سے بہت ڈرنا چاہیے کہ ان کی الٹی بھی سیدھی ہو جاتی ہے۔

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جو شخص میرے ولی سے دشمنی رکھتا ہے، اس کو اذیت دیتا ہے، اس سے میرا اعلان جنگ ہے۔''

(کذافی البخاری، ملفوظات فقیہ الامت ۷، ۶۱)

بچوں کے صفحات

برکت

یہ آنحضور ﷺ کی پیدائش کے وقت کا واقعہ ہے کہ عرب میں سخت قحط پڑا۔لوگ بھوک سے مرنے لگے۔ زمین پانی کی ایک بوند کو ترس گئی۔ درخت مرجھا گئے۔ کھیت کھلیان اُجڑ گئے انسان تو کیا حیوان کی بھی بھوک اور پیاس سے بُری حالت تھی۔

بنو سعد کا قبیلہ مکہ معظّمہ سے کئی فرلانگ کے فاصلے پر ایک جنگل کے قریب آباد تھا۔اس قبیلے کے لوگ مویشی پال کر گزر بسر کرتے تھے۔ جب قحط پڑا تو بنو سعد کا قبیلہ ہی سب سے زیادہ متاثر ہوا کیونکہ جب بارش نہ ہوئی تو کھیت سوکھ گئے، فصلیں برباد ہوگئیں، انسانوں اور حیوانوں کو خوراک نہ ملی اور یوں جاندار بھوک سے مرنے لگے۔

اس زمانے میں عرب میں یہ رسم تھی کہ دیہاتی عورتیں امراء کے بچوں کو پرورش کی غرض لے لیتیں اور جب بچہ چار پانچ سال کا ہو جاتا تو اسے والدین کے حوالے کر دیتیں اور اس خدمت کے صلے میں بچے کے والدین سے انہیں انعام واکرام ملتا۔ جب بنو سعد کی عورتیں قحط سے تنگ آگئیں تو وہ ایک قافلے کی شکل میں مکہ کی طرف روانہ ہوئیں تاکہ پرورش کیلئے مکہ کے سرداروں کے بچے حاصل کر سکیں۔ اس قافلے میں ایک عورت بھی شامل تھی جس کا نام حلیمہ سعدیہ تھا۔

وہ ایک دبلی پتلی اونٹنی پر سوار تھیں۔ یہ اونٹنی بھوک سے اسقدر کمزور ہو چکی تھی کہ اس کے لئے چلنا بھی محال تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ حلیمہ سعدیہؓ اپنی اونٹنی کی سُست رفتاری کے سبب قافلے سے بہت پیچھے رہ گئیں اور مکہ معظّمہ میں دوسری عورتوں کی نسبت بہت دیر سے پہنچیں۔ اسی لئے دوسری عورتوں نے ان سے پہلے مکہ پہنچ کر امیر لوگوں کے بچے پرورش کیلئے حاصل کر لئے۔ یہ جب حلیمہ سعدیہؓ پہنچی تو مکہ میں کوئی بھی امیر بچہ نہ رہا۔ بیچاری حلیمہ سعدیہؓ جس دروازے پر دستک دیتیں، انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا۔ پریشانی کے عالم میں مکے کی گلیوں میں اپنی قسمت آزماتے آزماتے حلیمہ سعدیہ کی ملاقات آنحضور

ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب سے ہوئی۔ انہوں نے حلیمہ سعدیہ سے ان کا نام اور خاندان کے بارے میں پوچھا۔ نام سن کر حضرت عبدالمطلب نے حلیمہ سعدیہؓ سے کہا ''کیا تو میرے یتیم پوتے کی پرورش کریگی، کیا تو اسے دودھ پلائے گی؟''۔ حلیمہ سعدیہؓ نے عرض کی حضور کیوں نہیں۔ آپ اپنا پوتا میرے حوالے کردیں میں اس کی بہتر پرورش کرونگی۔

حضرت عبدالمطلب بڑے خوش ہوئے کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے کئی عورتوں کو اپنے پوتے کی پرورش کی ذمہ داری سونپنی چاہی تو انہوں نے اس خیال سے صاف انکار کردیا کہ بچہ یتیم ہے شاید انہیں ان کی خدمت کا صحیح معاوضہ نہ ملے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب حلیمہ سعدیہؓ کو اپنے گھر لے گئے اور ایک بہت خوبصورت بچے کو جو اس وقت پنگھوڑے میں سو رہا تھا پرورش کی غرض سے حلیمہ سعدیہؓ کے حوالے کردیا۔

جب حلیمہ سعدیہؓ اس بچے کو لینے کیلئے آگے بڑھیں تو انہیں محسوس ہوا جیسے کمرے اچانک ایک نور سا پھیل گیا ہو۔ وہ بچے کی خوبصورتی دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ حلیمہ سعدیہؓ نے جیسے ہی بچے کو گود میں اٹھایا تو اس نے مسکرا کر آنکھیں کھول دیں۔ حلیمہ سعدیہؓ نے بچے کی پیشانی پر پیار کیا اور سینے سے لگا لیا۔ پھر وہ اس بچے کو ساتھ لے کر اپنے قبیلے کی طرف لوٹ آئیں۔ حلیمہ سعدیہؓ جان چکی تھیں کہ یہ کوئی عام بچہ نہیں بلکہ اس میں کوئی خاص بات ہے۔

چنانچہ انہوں نے اس بات کی ذرا بھی پروانہ کی کہ بچہ یتیم ہے اور اس کی پرورش کا مناسب معاوضہ نہیں ملے گا۔ جب حلیمہ سعدیہ اُس بچے کو لے کر اپنے گھر پہنچیں تو ان کے شوہر اس بات پر سخت ناراض ہوئے کہ حلیمہؓ ایک یتیم بے کو لیکر کیوں ائیں ہیں لیکن حلیمہ نے اپنے شوہر کو بتایا کہ یہ کوئی عام بچہ نہیں ہے۔

اتنے میں دودھ دوہنے کا وقت ہوگیا حلیمہؓ جانتی تھیں کہ اونٹنی بہت کمزور ہے اور بھوک کی وجہ سے اب اتنا بھی دودھ نہیں دیتی کہ اس کے بچوں کا گذارا ہوسکے لیکن اس دن جب حلیمہ نے اونٹنی کا دودھ دوہنا شروع کیا تو وہ حیران رہ گئیں کہ اونٹنی کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں اور اتنا دودھ ہے کہ برتن بھر گئے اور دودھ ہے کہ پھر بھی ختم نہیں ہو رہا۔ حلیمہ سعدیہ کے شوہر نے جب یہ معجزہ دیکھا تو بے اختیار کہنے لگے حلیمہؓ تو سچ کہتی تھی کہ یہ کوئی عام بچہ نہیں بلکہ یہ بڑی برکتوں والا بچہ ہے۔

اس میں کیا شبہ تھا۔ یہی بچہ بڑا ہو کر رحمت اللعالمین کہلایا۔ جس نے پوری دنیا میں خدا کے دین کو پھیلایا اور جو پوری دنیا کیلئے رحمت بن کر آیا یعنی ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ۔



حسن سلوک

آنحضور ﷺ کی سربراہی میں جب مسلمانوں نے مکہ فتح کرلیا تو اس وقت آنحضور ﷺ نے دیکھا کہ مکہ کی ایک ضعیف عورت سر پر ایک بھاری گٹھری لیے بھاگی جارہی ہے۔ آپ ﷺ اُس بوڑھی عورت پر ترس آیا کہ بڑھاپے کے باوجود اس نے سر پر گٹھری کا بوجھ لادا ہوا ہے۔ آپ ﷺ اُس بڑھیا کے قریب آئے اور اس سے وجہ پوچھی کہ وہ اتنا بوجھ سر پر اُٹھا کر کہاں جارہی ہے؟ اُس بڑھیا نے کہا: ’’اے بیٹے! میں محمد (ﷺ) نامی ایک شخص کے خوف سے مکہ چھوڑ کر جارہی ہوں کہ کہیں وہ مجھ سے میرا مذہب نہ چھڑا دے۔ آپ ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور اس بڑھیاں سے کہا ’’مائی اتنی بھاری گٹھری تو کیسے اُٹھائے گی۔ لا یہ مجھے دے دے‘‘۔

یہ کہہ کر آپؐ نے وہ گٹھری اپنے سر پر اٹھالی اور بڑھیا کے ساتھ چل پڑے۔ تمام راستے وہ بڑھیا محمد ﷺ کو بُرا بھلا کہتی رہی اور آپ ﷺ نہایت صبر وتحمل سے سنتے رہے۔ آخر کار بڑھیا اپنی منزل پر پہنچ گئی۔ آپ ﷺ نے بڑھیا کی گٹھری اس کے حوالے کرکے واپسی کی اجازت چاہی۔ بڑھیا نے آنحضور ﷺ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا ’’بیٹے مکہ میں محمد (ﷺ) آگیا ہے۔ وہ بہت بڑا جادوگر ہے ،اُسے بچ کر رہنا‘‘۔

آپ ﷺ نے بڑھیا کی بات سن کر نہایت ملائمت سے کہا ’’مائی میں وہی محمد (ﷺ) ہوں جس کے خوف سے آپ مکہ چھوڑ کر آئی ہیں‘‘۔ بڑھیا نے جب یہ سنا تو وہ بہت شرمندہ ہوئی اور اس نے کہا ’’بے شک آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں جو دشمنوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک روا رکھتے ہیں۔

پیارے بچو! پھر وہ بڑھیا آنحضور ﷺ کے حسن سلوک اس قدر متاثر ہوئی کہ اُس نے اپنا مذہب چھوڑ کر فوراً دین اسلام قبول کرلیا۔



دیانت

خلفائے راشدین میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی انصاف پسندی اور دیانتداری کے حوالے سے مشہور ہیں ۔ حضرت عمر فاروق ؓ کی خلافت کے دور میں ایک مرتبہ بحرین سے مشکِ کستوری آیا۔ کستوری ایک بے حد قیمتی خوشبو ہے جو ہرن کی ناف سے نکلتی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ اُس وقت اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔آپؓ نے فرمایا ''اگر کوئی کستوری کو تول دیتا تو میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیتا''۔

آپؓ کی بیوی حضرت عاقلہؓ نے آپؓ کی بات سن کر نہایت فرمانبرداری سے عرض کی ''امیر المؤمنین ! اگر آپ حکم دیں تو کستوری کو میں تو دوں''۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔تھوڑی دیر گزر جانے کے بعد آپؓ نے پھر کہا ''اگر کوئی کستوری کو تول دے تو میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دوں''

جواب میں حضرت عاقلہؓ نے پھر عرض کی ''اگر آپؓ اجازت دیں تو کستوری کو میں تول دیتی ہوں''۔ حضرت عمرؓ اس بار بھی خاموش رہے۔

کچھ دیر بعد حضرت عمرؓ نے تیسری دفعہ پھر یہی بات دہرائی ''اگر کوئی کستوری کو تول دے تو میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دوں'' جواب میں حضرت عاقلہ نے پھر عرض کی ''اے مسلمانوں کے خلیفہ ! اگر آپؓ اجازت دیں تو کستوری میں تول دیتی ہوں''۔

اس مرتبہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا '' عاقلہ ! مجھے یہ بالکل پسند نہیں کہ تم جب کستوری کو تولنے کیلئے ترازو کے پلڑوں میں رکھو تو یہ تمہارے ہاتھوں سے لگتی رہے اور جب ہمارے حصے کی کستوری ہمیں ملے تو اس میں تمہارے ہاتھوں سے لگی ہوئی کستوری بلا تقسیم ہمارے حصے میں آجائے۔ میرے نزدیک یہ بھی ایک طرح کی بددیانتی ہوگی۔

دیکھا بچو! حضرت عمر فاروق کی دیانت داری کو۔ اگر ہمارے حکمران اور عوام آج بھی حضرت عمرؓ کی سوچ کو اپنالیں تو پھر کسی کو کسی سے کوئی شکایت نہ ہو۔

غزل

ہزار بار نشیمن بنے اُجڑ جائے
مگر چمن پہ نہ یارب کبھی زوال آئے

خزاں کے تلخ نتائج بھی ناگوار نہیں
اگر بہار کے انداز میں بہار آئے

خدا کرے کہ شریک مزاج گلشن ہوں
حسین چاندنی راتوں کے نقرئی سائے

تمہارے در کے سوا جس کا آسرا ہی نہیں
وہ بدنصیب کہاں جا کے ہاتھ پھیلائے

قدم قدم پہ قیامت نفس نفس مشکل
برے وہ دن کبھی تقدیر پھر نہ دکھلائے

اسی کو خالص ہوئی نسبت کرم حاصل
شب فراق کے دامن میں جس کو نیند آئے

میں ایسی موت پہ کردوں نثار عمر ابد
وہ ہنس کے دیکھتے ہوں اور دم نکل جائے

جنون شوق کی راہ طلب بدل نہ سکی
خرد نے لاکھ اسے سبز باغ دکھلائے

ہیں ساز عشق میں پنہاں کچھ ایسے نغمے بھی
اگر سنے تو مشبت بھی رقص فرمائے

یہ دور ڈھال رہا ہے وہ پیکر انساں
جو خود تڑپ نہ سکے دوسروں کو تڑپائے

بلا خلوص محبت سکوں ہے ناممکن
یہ بات آج کی دنیا کو کون سمجھائے

حیات اس کی ہے ننگ حیات اے انور
وہ آدمی جو غم زندگی سے گھبرائے

کام کی باتیں کریں (ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی)

آؤ ہم کچھ کام کی باتیں کریں
دین کی اسلام کی باتیں کریں
ہو خدا کا حکم یا قولِ نبیؐ
خیر کے پیغام کی باتیں کریں
ظلم و استبداد کے اس دور میں
عدل کے اقدام کی باتیں کریں
کفر کے انجام کو سوچیں نہ ہم
غلبۂ اسلام کی باتیں کریں
ایک زرّیں دور تھا اپنا کبھی
گردشِ ایّام کی باتیں کریں
حق کی نصرت اور فتح ہو قریب
بدر کی اِک شام کی باتیں کریں
ہے رسول اللہ کا اُسوہ تو کیوں
ہم خیالِ خام کی باتیں کریں
ایک ہی ہو جائیں مل کر ہم سبھی
خیر کے اس کام کی باتیں کریں
جو نبیؐ پاک کے ہاتھوں ملے
اس سُبو اور جام کی باتیں کریں
کیسی گزری زندگی اصحابؓ کی
ان کی صبح و شام کی باتیں کریں
ذکر سے جس کے ملے راحت حبیبؔ
ہم اسی کے نام کی باتیں کریں

بسم الله الرحمن الرحيم

فَسَيَكْفِيكَهُمُ ٱللَّهُ

وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ

١٤٢٩

MONTHLY MAGAZINE

Millia

JAMIA MILLIA ISLAMIA

FAISALABAD PAKISTAN

Reg:M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@yahoo.com Fax # 041-8502213

ماہنامہ مِلّیّہ فیصل آباد پاکستان

بفیض

قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ	شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ	رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمہ اللہ
امیر ثانی تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ	حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی رحمہ اللہ بانی جامعہ	پیر طریقت حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

- عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ۔

اس میں وہ سب کچھ جس سے ہر ایک مسلمان کا باخبر رہنا ضروری ہے۔

- بے لاگ تبصروں اور تحقیقاتی تجزیوں سے بھرپور
- نقطہ نظر کا کالم ہر لکھنے والے کے لئے
- آپ کے مسائل اور انکا حل
- طلباء، خواتین اور بچوں کے خصوصی صفحات
- حصہ شعروسخن ۔ جس میں حمد ونعت، نظم اور غزل۔
- تذکرۂ اکابر سے مزین تحقیقی مقالہ جات
- خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی دعوت دے کر اس صدقۂ جاریہ میں شریک کریں۔

رابطہ کیلئے

ماہنامہ مِلّیّہ جامعہ مِلّیّہ اِسلامیہ

محلہ خالصہ کالج فیصل آباد
فون 041-8711569

www.milliafsd.com